امام غزالی کی مشہور زمانہ کتاب ''المنقذ من الضلال'' کا سلیس اردو ترجمہ

بنام

اُجالوں کا سفر

تصنیف

حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ

مترجم

مولانا عبد الرسول ارشد

ناشر

بزم فیضان رضا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''المنقذ من الضلال'' کا اردو ترجمہ بنام

اجالوں کا سفر

تصنیف

حجۃ الاسلام **امام غزالی** علیہ الرحمہ

مترجم

مولانا **عبد الرسول** ارشد

ناشر

بزمِ فیضانِ رضا طلبہ دار العلوم محبوبِ سبحانی

© جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ

سلسلۂ اشاعت نمبر: ۲۸

نام کتاب	:	المنقذ من الضلال
مصنف	:	حجۃ الاسلام امامِ غزالی علیہ الرحمہ
اردو نام	:	اجالوں کا سفر
مترجم	:	مولانا عبدالرسول ارشد
تقدیم	:	علامہ سید اکرام الحق قادری مصباحی
ایڈٹنگ (تحقیق و تسہیل)	:	مفتی فاروق خاں مہائمی مصباحی
پروف ریڈنگ	:	مولانا محمد طاہر، جماعتِ فضیلت
		مولانا ذاکر حسین، جماعتِ فضیلت
کمپوزنگ	:	مولانا نصرالدین سبحانی
		محمد ثناء المصطفیٰ، جماعتِ اعدادیہ
		محمد زاہد الرحمٰن، جماعتِ خامسہ
		غلام عسقلانی، جماعتِ خامسہ
اشاعت اول	:	اپریل ۱۹۹۹ء، پاکستان
اشاعت دوم	:	نومبر ۲۰۰۵ء، پاکستان
اشاعت سوم	:	دسمبر ۲۰۱۹ء، ہندوستان
قیمت	:	
ملنے کا پتہ	:	دارالعلوم محبوبِ سبحانی

مشمولات

۱	عرض حال	۴
۲	تقدیم	۸
۳	پیش لفظ	۱۹
۴	حجۃ الاسلام حضرت محمد بن محمد غزالی طوسی رحمۃ اللہ علیہ	۲۱
۵	المنقذ من الضلال	۲۴
۶	تمہید	۲۵
۷	طالبین کی اقسام	۳۴
	علم کلام: غرض و غایت	۳۵
۸	علم فلسفہ	۳۷
۹	فلسفے کی اقسام	۳۹
۱۰	ان کے علوم کی قسمیں	۴۲
۱۱	مذہب اہلِ تعلیم اور اس کی آفت	۵۴
۱۲	مسالکِ صوفیا	۶۶
۱۳	حقیقتِ نبوت	۷۴
۱۴	اشاعتِ علم کی طرف دوبارہ رجوع کا سبب	۸۰

عرض حال

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامدًا ومصلیًا مسلّما

''اُجالوں کا سفر'' امامِ غزالی علیہ الرحمہ کی مشہور کتاب ''المنقذ من الضلال'' کا اردو ترجمہ ہے۔ امامِ غزالی کا نام ہی کتاب کے مستند اور اہم ہونے کے لیے کافی ہے؛ لیکن یہ کتاب ایک دوسری جہت سے اور بھی اہمیت کی حامل ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ کتاب امام غزالی علیہ الرحمہ کی پوری زندگی کے تجربات پر مشتمل ہے؛ کہ کس طرح اُن کے فکر و نظریات میں تبدیلی آئی، ۴۸۸ھ میں اُنھوں نے کیوں کر بغداد کو خیر باد کہہ کر گوشۂ گم نامی اختیار کر لی، اُس مدت میں کیسے کیسے تجربات کیے اور پھر صدی کے اخیر میں یعنی ۴۹۹ھ میں نیشاپور تشریف لائے اور ایک بار پھر خلقِ خدا کی رہ نمائی میں مصروف ہو گئے۔

اس کتاب کو اگر ''امامِ غزالی کی آپ بیتی'' کہا جائے تو بالکل بے جا نہ ہوگا۔ چوں کہ امامِ غزالی ایک عالمِ دین تھے، درس و تدریس اور وعظ و نصیحت سے اُن کا تعلق تھا، اپنی آپ بیتی میں انھوں نے وہی کچھ لکھا ہوگا جن سے آئے دن علما کو سامنا کرنا پڑتا ہے، اِس لیے ایک عام آدمی سے کہیں زیادہ یہ کتاب اہلِ علم پر اثر انداز ہوگی۔ میری سمجھ سے ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو علمِ دین کا طالبِ علم سمجھتا ہے، اُسے اِس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے اور بار بار کرنا چاہیے۔

''اجالوں کا سفر'' پہلی مرتبہ ۱۹۹۹ء میں اور دوسری مرتبہ ۲۰۰۵ء میں پاکستان سے شائع ہوئی۔ اب ہندوستان میں پہلی مرتبہ اِس کی اشاعت ہو رہی ہے، جس کا پورا کریڈٹ ''**بزمِ فیضانِ رضا** - طلبۂ دار العلوم محبوب سبحانی - کو جاتا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ''**بزمِ فیضانِ رضا**'' ممبئی جیسے رنگین شہر میں رہنے کے باوجود طلبۂ جامعہ اشرفیہ جیسا کام کر رہی ہے، ۱۹۸۳ء سے اس نے اپنے اشاعتی سلسلے کا آغاز کیا ہے، اور اب تک ۲۸ / کتابیں منظر عام پر لا چکی ہے۔ اِس کے فعال ارکان اپنے اساتذہ کی راہ نمائی میں پوری تن دہی کے ساتھ

مصروف عمل رہتے ہیں۔امسال اس کے ارکان یہ ہیں:

صدر : **محمد سلیم رضا**، سدھارت نگر، یوپی، جماعت فضیلت

نائب صدر : **محمد صدرِ عالم رضوی**، چیتا کیمپ، ممبئی، جماعت سادسہ

: **محمد شمیم اختر**، کشن گنج، بہار، شعبۂ حفظ

خزانچی : **محمد ارمان**، بہرائچ، یوپی، جماعتِ سابعہ

نائب خزانچی : **سید مفتاح الحسن**، قنوج، یوپی، جماعت سادسہ

''بزمِ فیضان رضا'' ہر سال کسی ایک دن کو مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب کرتی ہے، اُس دن ایک تعلیمی کانفرنس منعقد کرتی ہے، جس میں ملک کی جانی مانی ہستیاں مدعو کی جاتی ہیں، ساتھ ہی ساتھ کسی مفید علمی کتاب کی اشاعت بھی کرتی ہے۔ پچھلے سال اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا صد سالہ عرس تھا، اِس موقع پر بزمِ فیضان رضا نے ایک تاریخی قدم اٹھاتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ اب سے ہر سال کسی معظم علمی شخصیت کی بارگاہ میں ''امام احمد رضا ایوارڈ'' پیش کیا جائے گا؛ تاکہ اُن کی خدمات کا اعتراف بھی ہو جائے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت بھی پہنچ جائے۔

صد سالہ عرسِ رضوی کی پروگرامنگ کی وجہ سے پچھلے سال کسی کتاب کی اشاعت نہ ہو سکی تھی، اس لیے بزمِ فیضانِ رضا کے سرپرست حضور خاتم الخلفاء حضرت مولانا سید اکرام الحق قادری مصباحی دام ظلہ نے اس سال ایک ساتھ دو کتابوں کی اشاعت کا فیصلہ کیا۔ لہٰذا اس سال ''اشرف السیر'' اور ''المنقذ من الضلال'' کا اردو ترجمہ بنام ''اجالوں کا سفر'' منظر عام پر آئے گی۔

ہم نے جو کام کیا:

''اجالوں کا سفر'' پر ہمارے کام کرنے کا انداز کچھ اس طرح ہے:

۞ استادِ محترم حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی -دام ظلہ- کی کتاب ''قواعدِ املا وانشا'' اور اس میں موجود حضرت مصباحی صاحب -ادام اللہ بقاءہ- کے مقدمے کے مطابق اس کتاب کا املا درست کر دیا گیا ہے۔

۞ کتاب کی تسہیل کے لیے رموز واوقاف بھی جوڑ دیے گئے ہیں۔

۞ کمپوزنگ کی غلطیاں بھی سدھار لی گئی ہیں۔

۞ ایسی ترکیب جس سے جملے کی سلاست پر آنچ آتی تھی، اُسے دیانت داری کے ساتھ بدل دیا گیا ہے؛ کوئی بھی تبدیلی اصل عربی کتاب -مطبوعہ دار الکتب العلمیہ- کی طرف رجوع کیے بغیر نہیں کیا ہے اور جو بھی تبدیلی یا اضافہ کیا ہے، اُسے اس طرح کے [ ] بریکٹ میں لکھا ہے۔

۞ اس طرح ( ) کے بریکٹ میں جو عبارت ہے وہ مترجم صاحب کی ہے۔

۞ کہیں کہیں ترجمہ کرنے میں مترجم صاحب سے تسامح ہو گیا تھا، ہم نے اصل عربی نسخے سے اسے درست کر دیا ہے۔

کہیں کہیں قرآنی آیات اور اشعار کا صرف ترجمہ مذکور تھا، ہم نے قرآنی آیات اور اشعار کا اضافہ کر دیا ہے۔

۞ کنیت والے اسما کو ''ابو'' سے ہی لکھا گیا ہے، چاہے شروع میں ہو یا بیچ میں۔ جیسے ''ابو بکر''۔ اور ''علی بن ابی طالب'' کو ''علی بن ابو طالب'' کر دیا گیا ہے؛ کہ اردو میں ایسا ہی لکھا جاتا ہے۔

۞ حوالے اقتباس کے بعد ہی نقل کیے گئے ہیں۔

۞ لمبے لمبے پیراگراف کو چھوٹے چھوٹے پیراگراف میں تبدیل کر دیا ہے تا کہ قارئین کو پڑھنے میں سہولت ہو۔

۞ کسی کے قول یا حوالے کو واوین (''-'') میں کر کے نئی لائن سے لکھا ہے۔

۞ قرآنِ کریم کی آیتوں کو اِس طرح کے ﴿ ﴾ بریکٹ میں جگہ دی ہے۔

حاصل یہ کہ کتاب کو مفید اور جاذبِ نظر بنانے کا پورا اہتمام کیا گیا ہے، اور اِس کی بھی بھرپور کوشش کی گئی ہے کہ جملوں کی سلاست و روانی بحال رہے۔

اس کام میں درج ذیل حضرات نے ہمارا ساتھ دیا:

۞ **مولانا نصر الدین سبحانی** -استاد شعبۂ کمپیوٹر دار العلوم محبوب سبحانی - ، محمد ثناء المصطفیٰ، جماعتِ اعدادیہ، محمد زہد الرحمٰن جماعتِ خامسہ اور غلام عسقلانی، جماعتِ خامسہ نے کتاب کی کمپوزنگ فرمائی۔

❁ محمد طاہر جماعتِ فضیلت اور محمد ذاکر حسین، جماعتِ فضیلت نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ کتاب کی پروف ریڈنگ کی۔

مذکورہ تمام افراد نے بغیر کسی تکدُّر کے، خلوص وللّٰہیت کے ساتھ یہ کام کیا ہے۔ یہ چند جملے ان کے کام کا اجر کیسے بن سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ سب کی کاوش کو قبول فرمائے، اور سب کا مستقبل تابناک بنائے۔

حضرت مولانا سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی دام ظلہ، پرنسپل دار العلوم محبوب سبحانی، نے اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود، ہمارے بار بار اصرار کرنے پر اپنی گراں قدر تقدیم سے بزمِ فیضانِ رضا کے حوصلوں کو بلند کیا ہے، کتاب پر کام کرنے کے لیے میرا انتخاب فرمایا، اور ہمت افزائی کرتے رہے۔ اس کے لیے میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔

میرے مولا! اس کتاب کے منظر عام پر لانے میں معمولی سے معمولی تعاون کرنے والوں کو علم وعمل کا پابند بنادے، اُن کی، اُن کے والدین اور دوست واحباب کی بے حساب بخشش فرمادے۔ دار العلوم محبوب سبحانی اور اُس کے جملہ وابستہ گان کو حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما اور اِس ادارے سے اِسی طرح کا دینی کام لیتا رہ۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فاروق خاں مہائمی مصباحی

خادمِ تدریس وافتا: دار العلوم محبوب سبحانی، کرلا، ممبئی۔

ساکن: ماہم ایسٹ، ممبئی۔

موبائل: 7860311024 /E-mail: khan170690@gmail.com

۹ر ربیع الآخر ۱۴۴۱ھ

۷ر دسمبر ۲۰۱۹ء

تقدیم

حضرت علامہ ومولانا سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی دام ظلہ
صدر المدرسین دار العلوم محبوب سبحانی، کرلا، ممبئی۔

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ممبئی عظمیٰ (صوبۂ مہاراشٹر، ہند) میں دار العلوم محبوبِ سبحانی مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت، مسلکِ اعلیٰ حضرت کی صحیح ترجمانی کرنے والا ایسا معروف ادارہ ہے، جو اپنے مستحکم نظامِ تربیت، بلند معیارِ تدریس اور عصرِ جدید سے ہم آہنگ نصابِ تعلیم کی بنیاد پر اپنی الگ شناخت رکھتا ہے۔

کوئی ۴۲ برس قبل، فاضلِ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، تلمیذِ حضور حافظِ ملت، حضرت علامہ مفتی شاہ عبدالرحیم صاحب قبلہ ساحلؔ مصباحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفّٰی ۲۷رمئی ر ۲۰۰۵ء) نے سرزمینِ کرلا ویسٹ ممبئی میں بالکل لبِ روڈ اِس ادارے کی بنیاد ڈال کر تعلیم و تدریس کا آغاز فرمایا تھا۔شروع ہی سے یہ ادارہ معیاری تعلیم اور عمدہ نظم ونسق کے سبب عوام وخواص کے مابین متعارف رہا، اور اب چار دہائیاں گزر جانے کے بعد، اِس کا علمی، تعلیمی، تربیتی، تبلیغی اور اشاعتی منہج اِس قدر منظم، مستحکم اور پائیدار ہو چکا ہے کہ پورے ملک میں اِسے ایک کامیاب ادارے کی شکل میں دیکھا جا رہا ہے۔اگر اِس کے اراکین و منتظمین کی مساعیِ جمیلہ اور اساتذہ و مدرسین کی پیہم کاوشیں یوں ہی جاری رہیں تو مستقبل قریب میں یہ ادارہ ایک عظیم الشان جامعہ بن کر ابھرے گا۔ان شاء اللہ تبارك وتعالیٰ۔

ویسے تو یہ ادارہ صوبۂ مہاراشٹر میں کسی تعارف و تذکرے کا محتاج نہیں؛ مگر چوں کہ آج سائنس وٹکنالوجی کی ترقی نے پوری دنیا کو ایک شہر، بلکہ ایک چھوٹے سے محلے میں تبدیل کر دیا ہے۔ انٹرنیٹ کے زمانے میں، نیٹ پر دستیاب کتابوں کا مطالعہ کسی بھی ملک وشہر سے کیا جا سکتا ہے۔اِس لیے پوری دنیا کے علمی حلقوں میں متعارف و مانوس کرانے کے لیے ادارہ اور اِس کے متحرک وفعال

طلبہ کی انجمن ''بزمِ فیضانِ رضا'' کا مختصراً تعارف کر دینا مناسب معلوم ہو رہا ہے۔

دارالعلوم محبوبِ سبحانی، ممبئی، مہاراشٹر، ہند:

ایک صحیح اندازے کے مطابق ۱۹۴۹ء کے آس پاس چند دین دار حضرات نے ایک مسجد کا سنگِ بنیاد رکھ کر سرکارِ غوثِ اعظم کی نسبت سے اسے ''محبوبِ سبحانی مسجد'' کے نام سے موسوم کیا۔ تلاشِ بسیار کے باوجود یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کن سعادت مندوں کے ہاتھوں اس کی تعمیر عمل میں آئی۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۷۶ء تک اِسی مسجد کے احاطے میں اہلِ محلہ کے نونہالوں کے لیے دینیات و ناظرہ کی تعلیم ہوتی رہی۔ ۱۹۷۶ء کے اواخر میں اِس خطے کا اقبال بلند ہوا اور بفضلہٖ تعالیٰ، پروردۂ حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ، زاہدِ بے ریا، عمدۃ الأصفیا، زبدۃ الأتقیا حضرت علامہ مفتی عبد الرحیم صاحب قبلہ ساحلؔ مصباحی- رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ- کی آمد سے اِس کی رونقِ ظاہری و باطنی دو بالا ہوئی۔ حضورِ والا مرتبت کی اَن تھک کوششوں کا ثمرہ یوں برآمد ہوا کہ ۱۹۷۷ء ہی سے حفظ و درسِ نظامی کی تعلیم کا باضابطہ آغاز ہو گیا اور ۱۹۹۵ء تک مسجد ہی عمارت میں یہ سلسلۂ تعلیم جاری رہا۔

۱۹۹۵ء تک حضرتِ موصوف اپنی مخلصانہ و داعیانہ کوششوں کی بدولت اراکین و منتظمین کے دلوں کو دین و مذہب کی خدمت کے جذبۂ صادق سے لبریز کر چکے تھے، چناں چہ حضرتِ ممدوح کی تحریک پر آپ ہی کی سرپرستی میں اربابِ حل و عقد نے ادارے کی تعمیرِ نو کا منصوبہ بنایا، سرمایہ جمع کیا اور خانوادۂ مارہرہ کے عظیم روحانی پیشوا، حضور احسن العلما رحمۃ اللہ علیہ سے سنگِ بنیاد رکھنے کی التجا کی۔ حضور اپنی علالت کے سبب خود تو نہ آ سکے؛ لیکن اپنے شہزادے حضرت سید محمد اشرف میاں مارہروی مد ظلہ العالی کو سنگِ بنیاد کے لیے ایک اینٹ دے کر بھیجا، اور اِس طرح سے حضرت سید محمد اشرف صاحب اور حضرت علامہ سید کمیل اشرف صاحب رفعت معالیھما و بورکت فی ایامھما و لیالیھما کے مبارک ہاتھوں سے ادارے کی تعمیرِ نو کا سنگِ بنیاد رکھا گیا اور چار منزلہ نہایت مضبوط، شان دار، زلزلہ پروف، سنگِ مرمر سے مرصع بہت خوب صورت عمارت کی تعمیر عمل میں آئی۔ ساتھ ہی مسجد سے بالکل متصل ''زبیدہ'' نامی ایک وسیع و عریض تین منزلہ ہوٹل خرید کر ادارے کے نام وقف کیا گیا۔ تا دمِ ایں انھی دونوں عمارتوں میں ادارے کی تعلیمی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری ہے۔

اِس برقی دور میں سائنسی علوم وفنون کی اہمیت وافادیت سے کسی بھی صاحب عقل کو انکار نہیں ہوسکتا، پھر طلبۂ اسلام کو کامیاب داعی بنانے کے لیے جدید آلاتِ تبلیغ سے لیس کرنا اور اُن میں دینی وعصری علوم کا امتزاج پیدا کرنے کے لیے ٹیکنیکل کورسز کے ادارے اور انسٹی ٹیوٹس قائم کرنا بھی ضروری ہے؛ اِس لیے طالبانِ علوم شرعیہ کے لیے بالخصوص اور مسلمانانِ اہلِ سنت کے بچوں کے لیے بالعموم ''ٹیکنکل اور میڈکل کالجز،، نیز قوم کو فنِّ تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنے والی معلمات ومبلغات عطا کرنے کے لیے ایک بڑے'' كلية البنات،، (گرلس کالج) کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس ہوئی؛ لیکن اِن اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لیے اِس کی موجودہ عمارت کافی تنگ ثابت ہورہی ہے اور تشنگاہِ علومِ نبویہ کی کثرت وہجوم نے بھی اِسے ناکافی بنادیا ہے۔ اِس لیے کرلا ممبئی سے تقریباً ۷۰ رکلومیٹر دور بیرونی شہر مہاپولی، بھیونڈی میں تقریباً آٹھ ایکڑ (چالیس بیگھا) پر مشتمل نہایت وسیع وعریض ہموار زمین کی خریداری چندسال قبل عمل میں آچکی ہے۔ اگر اہلِ ثروت حضرات نے توجہ مبذول فرمائی تو جلد ہی تعمیری کام کا آغاز ہوگا اور اِس کی فلک بوس اور پرشکوہ عمارتیں دیکھ کر اہلِ باطل کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، اِن شاء الله تبارك وتعالیٰ۔

موجودہ اراکین ومنتظمین میں یہ حضرات اہم ہیں:

[۱] عالی جناب الحاج سید سہیل اشرف صاحب قبلہ اشرفی (سرپرستِ اعلیٰ)۔

[۲] الحاج جناب محمد عارف نسیم خان صاحب قبلہ (صدرِ اعلیٰ)۔

[۳] الحاج جناب محمد یعقوب خان صاحب قبلہ برکاتی (نائب صدر)۔

[۴] الحاج جناب کلیم اللہ صاحب قبلہ نظامی (سیکریٹری)۔

[۵] جناب الحاج عنایت اللہ صاحب قبلہ برکاتی (خزانچی)۔

[۶] جناب الحاج اظہار الحسن صاحب قبلہ (نائب سیکریٹری)۔

اساتذۂ کرام شعبۂ درسِ نظامی:

[۱] راقم الحروف سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی: صدر المدرسین۔

[۲] حضرت علامہ محمد امجد علی صاحب قبلہ مصباحی: شیخ الحدیث۔
[۳] حضرت علامہ مفتی سید محمد شاکر صاحب سیفی مصباحی: مفتیِ ادارہ۔
[۴] حضرت علامہ محمد شمیم صاحب مصباحی: نائب شیخ الحدیث۔
[۵] حضرت علامہ محمد فاروق خان صاحب مصباحی: استاذ و نائب مفتی۔
[۶] حضرت علامہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب امجدی: استاذ درسِ نظامی۔
[۷] حضرت علامہ مفتی محمد وسیم صاحب قادری مصباحی: استاذ و نائب مفتی۔
[۸] حضرت علامہ محمد فیروز احمد صاحب قادری مصباحی: استاذ درسِ نظامی۔
[۹] حضرت علامہ بشیر اسلم صاحب قبلہ سبحانی: استاذ درسِ نظامی۔
[۱۰] حضرت علامہ ذوالفقار علی صاحب قبلہ برکاتی سبحانی: استاذ درسِ نظامی۔
[۱۱] حضرت علامہ محمد طاہر حسین صاحب مصباحی: استاذ درسِ نظامی۔
[۱۲] حضرت علامہ محمد رحمانی صاحب مصباحی۔نگراں و استاذ درس نظامی۔
[۱۳] حضرت علامہ ماسٹر شمس الدین صاحب مصباحی۔استاذ انگلش۔
[۱۴] حضرت مولانا منصور احمد صاحب۔استاذ انگلش۔
[۱۵] حضرت علامہ نصر الدین صاحب سبحانی۔استاذ کمپیوٹر۔
[۱۶] حضرت ماسٹر حسین صاحب۔استاذ انگلش۔

اساتذۂ کرام شعبۂ تجوید و تحفیظ:

[۱] حضرت حافظ و قاری منور حسین صاحب: سابق ناظمِ اعلیٰ۔
[۲] حضرت مولانا قاری محمد مزمل حسین صاحب قبلہ: شیخ القراء۔
[۳] حضرت حافظ و قاری محمد حسیب الرضا صاحب قبلہ نوری ضیائی: استاذ شعبۂ حفظ و قراءت۔
[۴] حضرت مولانا حافظ و قاری غلام احمد رضا صاحب سبحانی: استاذ شعبۂ حفظ۔
[۵] حضرت حافظ و قاری سید محمد حسن صاحب قبلہ: استاذ شعبۂ حفظ۔
[۶] حضرت مولانا حافظ و قاری ارشاد احمد صاحب قبلہ سبحانی: استاذ شعبۂ حفظ۔

[۷] حضرت حافظ وقاری ہارون صاحب قبلہ: استاد شعبۂ حفظ وقراءت۔

[۸] حضرت حافظ وقاری اسرار احمد صاحب قبلہ: استاد شعبۂ حفظ۔

[۹] حضرت مولانا حافظ و قاری محمد کلیم احمد صاحب سبحانی : استاد شعبۂ حفظ۔

اساتذۂ کرام شعبۂ دینیات:

[۱] حضرت مولانا حافظ وقاری محمد رفیق احمد صاحب سبحانی۔

[۲] حضرت مولانا حافظ وقاری معین الدین صاحب سبحانی۔

[۳] حضرت حافظ وقاری محمد شریف احمد صاحب سبحانی۔

[۴] حضرت مولانا قاری محمد غلام غوث صاحب سبحانی۔

[۵] حضرت مولانا حافظ وقاری سہراب صاحب سبحانی۔

[۶] حضرت حافظ وقاری احمد رضا صاحب سبحانی۔

[۷] حضرت مولانا حافظ وقاری عبید رضا صاحب منظری۔

[۸] حضرت مولانا محمد خورشید رضا صاحب قبلہ سبحانی:

[۹] حضرت مولانا محمد عتیق اللہ صاحب قبلہ سبحانی: آفس انچارج۔

تعلیمی شعبے یہ ہیں:

[۱] شعبۂ دینیات بالتجوید برائے اہلِ محلہ: تعدادِ طلبہ پانچ سو سے زائد۔

[۲] تحفیظ بالحدر: تعدادِ طلبہ تقریباً پونے دوسَو۔

[۳] قراءت بروایتِ حفص: از طلبۂ ثانیہ تا رابعہ لازم۔

[۴] مشق وترتیل: برائے طلبۂ حفظ، اعدادیہ اور اولیٰ لازم۔

[۵] قراءت بروایتِ سبعہ، برائے جماعتِ فضیلت۔

[۶] درسِ نظامی از اعدادیہ تا فضیلت: تعدادِ طلبہ تقریباً پونے تین سو۔

[۷] انگلش: از اعدادیہ تا فضیلت لازم۔

[۸] کمپیوٹر: از سادسہ تا فضیلت لازم۔

[۹] اسکول از کے۔جی تا ۸ کلاس برائے اطفال۔

[۱۰] شعبۂ نشر واشاعت۔

خلاصہ یہ کہ دار العلوم محبوبِ سبحانی اپنی تعلیمی و تبلیغی سرگرمیوں کے باعث مہاراشٹر کی سر زمین پر ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ سرکارِ غوثِ اعظم -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کے فیضانِ کرم اور مشائخ کرام کی دعاؤں سے روز بروز ترقی کی طرف گامزن ہے۔ اِس کے تعلیمی و تعمیری، علمی و تحریری شعبے ہنوز ترقی پزیر ہیں۔ ادارے سے اب تک تقریباً ڈیڑھ ہزار طلبہ فارغ ہوکر ملک کے گوشے گوشے میں مسلکِ اہلِ سنت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہاں از ہرِ ہند "**الجامعة الاشرفیہ**" مبارک پور، اعظم گڑھ کے نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے متعلمین "**جامعہ اشرفیہ**" و "**جامعہ علیمیہ**" وغیرہما ملک کے مایۂ ناز اداروں میں نہ صرف یہ کہ داخلہ لینے میں کامیاب ہوجاتے ہیں؛ بلکہ ششماہی و سالانہ امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کرکے، فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑتے ہوئے سندِ فراغت حاصل کرتے ہیں۔ **فالحمد للہ علیٰ ذٰلك**۔

بزمِ فیضانِ رضا:

دار العلوم محبوبِ سبحانی کے متحرک و فعال، حوصلہ منداور باذوق طلبہ کی انجمن کا نام "**بزمِ فیضانِ رضا**" ہے، یہ انجمن بانی ادارہ حضرت علامہ عبدالرحیم خان صاحب قبلہ -**رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ**- کی سرپرستی میں **۱۹۸۳**ء میں قائم ہوئی۔ یوم قیام سے لے کر اب تک اِس بزم پر مجدد اعظم امام احمد رضا خان -**رضی اللہ تعالیٰ عنہ**- کا فیضِ کرم ابرِ بارندہ بن کر برس رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ صبحِ قیامت تک برستا رہے گا۔

یہ بزم درحقیقت اِن شاہیں صفت طلبہ کا ترویجی، اشاعتی، تربیتی اور تبلیغی ادارہ ہے، جس کا مقصد اگر ایک طرف مطبوعہ درسی وغیر درسی کتب و رسائل و جرائد کی ذخیرہ اندوزی ہے تو دوسری طرف یہ بھی ہے کہ دنیائے سنیت کے اربابِ فکر و دانش، سنجیدہ اسلوبِ بیان کے ماہر قلم کاروں بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان -**رضی اللہ تعالیٰ عنہ**- کی قلمی خدمات کو سلیس اندازِ بیان اور خوش اسلوبی سے مزین کر کے طباعت کے مرحلے سے گزار کر اُن کی اشاعت و ترسیل کا

منظم انتظام کیا جائے اور ملک کی اہم دانش گاہوں اور معروف لائبریریوں میں انھیں ارسال کیا جائے، نیز عوام وخواص میں اُنھیں بلا قیمت مفت تقسیم کیا جائے۔

یہ بزم بحمد اللہ تعالیٰ اپنے اغراض و مقاصد میں صد فی صد کامیاب و کامران ہے۔ ادارے کو کفیل نہ بناتے ہوئے اِس نے اپنے ذاتی فنڈ سے نہ صرف یہ کہ اپنی مستقل لائبریری قائم کر کے اُس میں لاکھوں روپے کی کتابیں مہیا کرائیں، بلکہ تقریباً سوالاکھ روپے خرچ کر کے ۱۲ بائی ۲۵ کے ہال میں جملہ سہولیات سے لبریز ایک دیدہ زیب **''حافظِ ملت دارالمطالعہ''** بھی قائم کیا۔ اراکین بزم کی کارکردگی کا اندازہ اِس سے لگائیں کہ یومِ تاسیس سے لے کراب تک یہ انجمن تقریباً ہرسال کوئی نہ کوئی اہم کتاب منتخب کر کے اپنے صرفۂ خاص سے اس کی ترسیل و اشاعت کا بوجھ برداشت کرتی آئی ہے۔

اگست ۱۹۸۶ء مطابق ۱۴۰۶ھ میں بزم فیضانِ رضا نے پہلی کتاب ''**اظہار الحق الجلی**'' (مصنف: امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شائع کراکر مفت تقسیم کرنے پر عوام و خواص سے دادِ تحسین وصول کی۔ اِس کتاب کی طباعت کے بعد اِس بزم پر، فیضِ رضا کی ایسی برکھا برسی کہ اِس کی جانب سے علمی، تحقیقی، قیمتی اور معیاری کتب کی طباعت واشاعت کا سلسلہ آج تک جاری ہے اوران شاء اللہ تبارک وتعالیٰ کل بھی جاری رہے گا۔

بزمِ فیضانِ رضا سے اب تک درج ذیل کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔

[۱] **اظہار الحق الجلی**: از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ۔

[۲] **برکات الامداد**: از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ۔

[۳] **میلادِ مصطفی**: از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ۔

[۴] **سید المرسلین**: از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ۔

[۵] **گستاخِ رسول کی شرعی سزا**: از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ۔

[۶] **الحجۃ الفائحۃ**: از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ۔

[۷] **دس عقیدے**: از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ۔

[۸] **اکرامِ امام احمد رضا**: از حضرت مفتی برہان الدین جبل پوری علیہ الرحمہ۔

[۹] کتاب التراویح : از غزالیِ دوراں علامہ سعید کاظمی پاکستانی ،علیہ الرحمہ۔
[۱۰] فاضلِ بریلوی اور امورِ بدعت : از سید فاروق القادری صاحب ۔
[۱۱] اندھیرے سے اجالے تک : از علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب علیہ الرحمہ۔
[۱۲] مسائل سبعہ : از مفتی رضوان الرحمٰن صاحب مالوی۔
[۱۳] مدارِنجات : از مولانا رضوان احمد صاحب شریفی ۔
[۱۴] رضا کوئیز بک : از پروفیسر حافظ شکیل پاکستان ۔
[۱۵] دینِ حسن : از استادِ زمن علامہ حسن رضا بریلوی علیہ الرحمہ۔
[۱۶] قیامت : از پروفیسر مسعود احمد صاحب علیہ الرحمہ۔
[۱۷] جشنِ بہاراں : از پروفیسر مسعود صاحب علیہ الرحمہ۔
[۱۸] عظمتِ نماز : از علامہ ساجد علی صاحب مصباحی ۔
[۱۹] بولتی تصویریں : از ڈاکٹر جابر شمس صاحب مصباحی ۔
[۲۰] ادلۂ ایمانیہ شرحِ قصیدۂ نعمانیہ : از سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی ۔
[۲۱] تابناک موتی (اردو ترجمہ : الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیہ) : از سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی ۔
[۲۲] عقائد و نظریات : از علامہ عبدالحکیم شرف القادری علیہ الرحمہ۔
[۲۳] حقیقتِ محمدی (اردو ترجمہ الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف) از : سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی ۔
[۲۴] تجلیاتِ امام احمد رضا۔
[۲۵] داستانِ غم یعنی یادِ اختر ازہری (الیکٹرانک ایڈیشن) : از مفتی فاروق خاں مہائمی مصباحی
[۲۶] امام احمد رضا اور تصوف : (الیکٹرانک ایڈیشن) : از مفتی فاروق خاں مہائمی مصباحی

یہ ۲۶ ؍ کتابوں کی وہ فہرست ہے جو بزمِ فیضانِ رضا کی طرف سے شائع ہو کر مقبولِ عام

ہو چکی ہیں، کتابوں کی طباعت و اشاعت و تقسیم کے علاوہ بھی طلبہ کی دیگر سرگرمیاں ہیں، جو قابلِ تحسین بھی ہیں اور لائقِ تقلید بھی۔ اِن کی تعلیمی سرگرمیوں کا خاکہ ملاحظہ فرمائیں:

۞ دعوتی ،فکری اور معلوماتی مضامین سے آراستہ پندرہ روزہ چار جداریے پابندی کے ساتھ منظرِ عام پر لانا۔ اُن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) المصباح : عربی (۲) خیابانِ حرم : فارسی (۳) پیغامِ ساحلِ ملت : اردو (۴) Edify of Sahil e Millat: انگلش

۞ اساتذۂ کرام کی نگرانی میں ہفتہ واری چار بزموں کا انعقاد۔ یہ کیف آفریں اور روح پرور بزمیں درج ذیل خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں۔

[۱] بزموں کا انعقاد بروزِ پنج شنبہ از: صبح ۱۰:۴۵ تا ۱۲:۳۰ چار بڑے ہالوں میں ہوتا ہے۔

[۲] ہر بزم میں چار طلبہ کی خطابت، چار کی نعت خوانی اور چار کی قراءت ہوتی ہے۔ جب کہ چار چار طلبہ مختلف عناوین پر تین تین احادیثِ کریمہ اور دیے گئے مسائلِ فقہیہ حفظ کر کے باحوالہ پیش کر کے دادِ تحسین حاصل کرتے ہیں۔

۞ عقائد و معمولات اور احکامِ فقہیہ پر وقتاً فوقتاً کوئیز کونٹسٹ کرانا۔

۞ نعت و خطابت کی خصوصی مزاولت کے لیے طلبہ کے مابین مسابقۂ نعت و خطابت کرانا۔

۞ اپنے موقر اساتذۂ کرام کے زیرِ سایہ رہ کر ہر سال ایک عظیم الشان محفل بنام ''جشنِ امام احمد رضا'' منعقد کر کے، ملک کے مایۂ ناز علما اور خطبا کو بلا کر اُن کے مقدس ہاتھوں سے مطبوعہ کتاب کی رونمائی کرانا۔

۞ مطبوعہ کتاب کو مدارسِ اسلامیہ کی لائبریریوں، مشائخِ کرام اور ائمۂ مساجد کی بارگاہوں تک مفت پہنچانا۔

۞ تحفظِ ناموسِ رسالت، تشہیرِ مسلکِ اعلیٰ حضرت اور فکرِ امام احمد رضا کی اشاعت کے لیے ٹھوس و مضبوط اقدام کرتے رہنا۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر وستائش ہے کہ طلبہ، بزم کی سرگرمیوں کے نتیجے میں سال بھر خرچ ہونے والی رقم کا انتظام واہتمام خود ہی کرتے ہیں، سرمایہ کے بوجھ سے اراکین و منتظمین کی پشتوں کو گراں بار نہیں کرتے۔ اِس بزم پر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے فیوض و برکات کی برکھا ایسی برس رہی ہے کہ اِنھیں قلتِ سرمایہ کی شکایت کبھی نہیں ہوتی، بلکہ ہر سال بزم کے جملہ اقدامات بحسن و خوبی پایۂ تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں، فالحمد للہ علیٰ ذٰلك۔

طلبۂ کرام کی پیہم تگ و دو اور مسلسل کاوشیں آج بھی جاری ہیں اور آج بھی یہ نونہالانِ اسلام اپنے خونِ جگر سے ملکی سطح پر علمی و دینی گل بوٹے اگا رہے ہیں۔ اِس سال اِن فیروز بخت نوجوانوں کی جانب سے ایک ساتھ یہ دو کتابیں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آرہی ہیں۔

[۱] حجۃ الاسلام حضرت سیدنا امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "المنقذ من الضلال" کا اردو ترجمہ بنام ''اجالوں کا سفر''۔

[۲] ماضی قریب کے زبردست عالمِ دین ومفتی، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی ''اشرف السیر''۔

اِن کتابوں کی طباعت واشاعت یقیناً علمی حلقوں میں اِن طلبۂ محبوبِ سبحانی کی زریں خدمت شمار ہوگی۔ ہمیں یقین ہے کہ جہاں ایک طرف اہلِ علم اِن باذوق وسعادت مند طلبہ کی سراہنا کریں گے اور اِنھیں اِس انتہائی اہم اور کامیاب پیش رفت پر دادِ تحسین سے نوازیں گے وہیں دوسری طرف عوام وخواص اِن کتابوں کے بطن سے نکلنے والے انوار سے مستنیر و مستفید ہوں گے اور اِنھیں خاطر خواہ پزیرائی حاصل ہوگی۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں محبِّ گرامی قدر، پیکرِ اخلاص و وفا، عالِم نبیل، فاضلِ جلیل حضرت علامہ مفتی محمد فاروق خان صاحب قبلہ مصباحی مہائمی رفعت معالیه و بورکت فی ایامه و لیالیه، نائب مفتی ادارہ ہذا کی پیہم کاوشوں اور مسلسل محنتوں کا تذکرہ نہ کروں۔ حضرتِ والا دارالعلوم محبوبِ سبحانی کے لیے یقیناً اللہ ربُّ العزت کی ایک عظیم نعمت ہیں۔ خدائے واحد وقیوم نے موصوف کو غضب کی ذہانت، بلا کی صلاحیت اور مضبوط قوتِ ارادی سے نوازا ہے۔ عالِم دین تو

وہ ہوتا ہے جو علمی وسعت و گہرائی کے ساتھ، حسنِ نیت و جمالِ سیرت سے متصف ہو۔ بحمد اللہ مولانا موصوف اِن خوبیوں کے حامل ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مفتی صاحب کے حوالے کوئی کام کیا گیا ہو اور آپ نے سرعت وخلوص کے ساتھ اُسے تکمیل آشنا نہ کیا ہو۔ اتنی کم عمر میں اِس برق رفتاری کے ساتھ علمی اور معیاری کارنامے سرانجام دینا، اِس دورِ خود غرضی میں، کسی عجوبے سے کم نہیں۔ اگر آپ کی شب خیزی وعرق ریزی نہ ہوتی تو شاید یہ کام بھی اتنی برق رفتاری وخوش اسلوبی کے ساتھ مکمل نہ ہو پاتا۔ حضرت موصوف نے کمالِ دیانت ومہارت اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ اِنھیں گویا کہ از سرِ نو مرتب فرمایا ہے۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ کی محنت و مشقت کا صحیح اندازہ اُن کے ''پیش لفظ'' کے مطالعے سے لگایا جا سکے گا، جس میں اُنھوں نے اِن کتابوں پر کیے گئے کام کو بالتفصیل بیان کر دیا ہے۔ کتابیں پڑھنے سے قبل، اِن کے ''پیش لفظ'' کا مطالعہ بڑا مفید وکار آمد ثابت ہوگا۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ''بزمِ فیضانِ رضا'' کے جملہ اراکین و منتظمین بالخصوص حضرت مولانا مفتی فاروق صاحب قبلہ مصباحی کی اِس کاوش کو مقبولیت کا جوہر بخش کر اِنھیں وہ جزا عطا فرمائے جو اُس کی شانِ کریمی کے لائق ہو، مستقبل میں بھی اِن حضرات کو، مشائخِ کرام کی قلمی خدمات کو متعارف کرانے کی توفیق مرحمت فرمائے اور دینی کتب ورسائل کی اشاعت وترسیل کے لیے اِن کی عقل وفکر کو دوآتشہ بنائے! آمین

بجاہ حبیبہ سید المرسلین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا مولانا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارك وسلم

از: خاکسار

سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی عفی عنہ
صدر المدرسین: دار العلوم محبوبِ سبحانی، کرلا ویسٹ، ممبئی ۷۰
E-mail:smikram786@gmail.com
فون:9029249679

۵ ربیع الآخر ۱۴۴۱ھ
۴ دسمبر ۲۰۱۹ء

پیش لفظ

امامِ غزالی عرصۂ دراز تک فلسفہ وعلم کلام جیسے ظاہری علوم کے بحرِ ذخار میں غوطہ زنی کرتے رہے؛ لیکن گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ انھوں نے جب دیکھا کہ ظاہری علوم سے ان کے دل کو سکون اور روح کو قرار نہیں ملا تو فلسفہ وعلم الکلام کی بساط کو سمیٹا اور صوفیا کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک مدت تک اُن نفوسِ قدسیہ کی صحبت میں رہ کر اپنی متاع گم شدہ کو پالیا۔

امامِ غزالی نے صوفیا کی مجالس میں سکون قلب جیسی نایاب دولت حاصل کرنے کے بعد اپنے ذہنی قلق واضطراب کی داستان کو اپنی مشہور کتاب ''اَلْمُنْقِذُ مِنَ الضَّلَالِ'' میں لکھا جو اپنے جلو میں فکر وخیال کے لیے روشنی اور ذہن وشعور کی بیداری کا سامان لیے ہوئے ہے۔ موجودہ دور میں امامِ غزالی کی یہ کتاب امت مسلمہ کے لیے انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

چناں چہ وقت کی ضرورت کے پیشِ نظر امامِ غزالی کی اس کتاب کا ترجمہ ہمارے فاضل دوست علامہ عبدالرسول ارشد (ایم۔اے، گولڈ میڈلسٹ) نے کیا۔ ارشد صاحب دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے فارغ التحصیل ہیں اور اُن لوگوں میں سے ہیں جن پر قدرت کی خاص عنایت ہے۔ آپ علومِ جدیدہ کے ساتھ ساتھ عربی زبان پر بھی عبور رکھتے ہیں۔ آپ نے میٹرک، ایف۔اے، بی۔اے، ایم۔اے عربی واسلامیات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ عالم عربی کے امتحان میں پنجاب بھر میں اول آئے؛ جب کہ فاضل عربی میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔

ارشد صاحب ۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۸۱ء تک ادارہ ''ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور'' میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مفسرِ قرآن مفکرِ اسلام ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب

نے آپ کی خدمات کو اِن الفاظ میں سراہا ہے۔

''دارالعلوم محمد یہ غوثیہ، بھیرہ شریف کے فاضل عزیزم مولانا عبدالرسول ارشد (ایم۔ اے، گولڈ میڈلسٹ) کا میں ممنون ہوں، جنھوں نے میری گزارش پر سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے کر ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا کام سنبھالا۔ اُنھی کی اَن تھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج 'تفسیر ضیاء القرآن' کو اِس دیدہ زیب صورت میں آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔''

آج کل موصوف تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ بارگاہِ صمدیت میں دعا گو ہوں کہ ربِ لَم یَزَل آپ کی صلاحیتوں میں اوراضافہ فرمائے۔ آمین ثم آمین

طالب دعا

حفیظ البرکات شاہ

حجۃ الاسلام حضرت محمد بن محمد غزالی طوسی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:

خراسان کے اضلاع میں ایک ضلعے کا نام 'طوس' ہے، اُس ضلع میں دو شہر ہیں 'ظاہران' اور 'طوقان' ۔امام صاحب ۴۵۰ھ میں 'طاہران' میں پیدا ہوئے۔والدِ ماجد کا پیشہ دھاگا فروشی تھا؛ اُسی نسبت سے 'غزالی' کہلائے۔

نام:

آپ کا نام محمد، لقب حجۃ الاسلام اور عرف غزالی ہے۔

تعلیم:

امام صاحب کے والدِ ماجد اتفاق سے تعلیم سے محروم رہ گئے تھے؛ لیکن اُنھیں اپنے بچوں کی تعلیم کا بہت خیال تھا۔انتقال سے پہلے انھوں نے اپنے دونوں صاحب زادوں 'محمد' اور 'احمد' کو اپنے ایک دوست کے سپرد کیا اور اُن سے کہا کہ میری انتہائی خواہش ہے کہ میرے بچے زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوں۔میری زندگی نے وفا نہیں کی؛ اس لیے تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم میرے بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرنا اور اِس مقصد کے لیے انھیں کچھ رقم بھی دی۔

امام صاحب کے والد صاحب کے انتقال کے بعد اُس بزرگ نے اِن دونوں بچوں کو تعلیم دلوانا شروع کی۔امام صاحب نے ابتدائی کتابیں اپنے شہر میں احمد بن محمد رافکانی سے پڑھیں، اُس کے بعد جرجان کا قصد کیا اور امام ابونصر اسماعیلی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ نے اُن سے علم حاصل کیا اور تدریس کے دستور کے مطابق یادداشتیں مرتب کیں۔جب آپ وطن واپس لوٹے تو راستے میں قافلے پر ڈاکہ پڑا۔ڈاکو سامان لوٹ کر لے گئے اور امام صاحب کے ہاتھ سے وہ تعلیقات بھی جاتی رہیں۔

امام صاحب ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور اُس سے کہا:

''مجھے اور کچھ نہیں چاہیے، مجھے صرف میری یاداشتیں واپس دے دو۔''

سردار نے تعلیقات تو واپس کردیں؛ لیکن ساتھ ہی ایک چوٹ بھی کر گیا اور کہنے لگا:

''تم نے خاک پڑھا ہے؛ کہ یہ چند اوراق تمھارے ہاتھ سے چھن گئے ،تو تم بالکل کورے ہو گئے۔''

ڈاکو کی اِس بات نے امام صاحب پر بڑا گہرا اثر کیا اور امام صاحب نے تین سال کی محنتِ شاقہ سے وہ تمام تعلیقات حفظ کرلیں۔

مزید تعلیم کے لیے امام صاحب نے نیشاپور کا قصد کیا، جہاں امام الحرمین عبدالملک ضیاء الدین جیسی ہستی مسند تدریس کی زینت تھی۔آپ نے امام الحرمین سے تحصیلِ علم شروع کیا-سبحان اللہ اُس مادر علمی کی کیا شان ہوگی جہاں استاد امام الحرمین اور شاگرد غزالی ہو-امام صاحب نے امام الحرمین کی زندگی میں ہی شہرت عام حاصل کرلی اور صاحبِ تصنیف ہو گئے؛ لیکن آپ امام الحرمین کی زندگی میں اُن کی صحبت سے علاحدہ نہ ہوئے اور جب امام الحرمین کا انتقال ہو گیا تو آپ نیشاپور سے نکلے اور اِس شان سے نکلے کہ ممالکِ اسلامیہ میں یگانۂ روزگار تھے۔

علمی کارنامے:

امام صاحب نے تقریباً چون / پچپن سال کی عمر میں جو علمی کارنامے سرانجام دیا، اُن کی فہرست مرتب کرنے کے لیے بھی دفتر درکار ہیں۔سینکڑوں کی تعداد میں کئی کئی جلدوں پر مشتمل تصنیفات، ہزاروں کی تعداد میں شاگرد، فتاویٰ لکھنا ،فرقۂ باطلہ کا رد، اُن سے مناظرہ کرنا اور اُن کی رد میں کتابیں لکھنا، وعظ و تلقین کا شغل الگ۔یہ غزالی ہی کا مقام ہوسکتا ہے۔

تصنیفات:

امام صاحب کی تصنیفات کی تعداد تو بہت زیادہ ہیں، ہم اُن سے چند ایک یہاں درج کریں گے:

احیاء العلوم، کیمیاے سعادت، ہدایۃ الہدایہ، بسیط ،تنبیہ الغافلین، تلبیسِ ابلیس، تہافۃ

الفلاسفہ،تفرقہ بین الاسلام والزندقہ، جواہرالقرآن، حجۃ الحق، القسطاس المستقیم، المستصفی، مقاصد الفلاسفہ، المنقذ من الضلال، مشکاۃ الانور، مستظہری فی الرد علی الباطنیہ، میزان العمل، مفصل الخلاف فی اصول القیاس، منہاج العابدین، دجیز، وسیط اور چالیس جلدوں پر مشتمل تفسیرِ یاقوت التاویل۔

نسبت:

امام صاحب کے شیخ طریقت شیخ ابوعلی فارمدی (افضل بن محمد بن علی) تھے۔شیخِ موصوف بہت عالی مرتبہ صوفی تھے۔نظام الملک اُن کا اس قدر احترام کرتا تھا کہ جب وہ اُس کے دربار میں تشریف لے جاتے تو وہ کھڑا ہوجاتا اور اپنی مسند اُن کے لیے خالی کر دیتا تھا۔

انتقال:

امام صاحب نے ۱۴رجُمادی الآخرہ ۵۰۵ھ کو'طاہران' کے مقام پر انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ابنِ جوزی نے آپ کے انتقال کا قصہ اُن کے بھائی حضرت احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے یوں لکھا ہے:

''پیر کے دن امام صاحب صبح کے وقت بستر خواب سے اٹھے،وضو کر کے نماز پڑھی، پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگا کر کہا:

'آقا کا حکم سر آنکھوں پر۔'

یہ کہہ کر پاؤں پھیلا دیے،لوگوں نے دیکھا تو دم نہ تھا۔''

ع آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

المُنقِذُ مِنَ الضَّلَالِ

ذوقِ جستجو بڑی دولت ہے، امامِ غزالی کو قدرت نے یہ دولت خوب وافر مقدار میں عطا فرمائی تھی۔امام صاحب نے جس زمانے میں ہوش سنبھالا اُس وقت اسلام کی نہایت واضح اور آسان صراط مستقیم کو فرقوں کے اختلاف، مناظروں اور مجادلوں نے دھندلا کے رکھ دیا تھا۔ ہر فرقہ اپنے مزعومات کو حق اور دیگر فرقوں کے عقائد کو غلط کہتا۔ ہر فرقہ یہ دعویٰ کرتا کہ جو اُن کے عقائد سے متفق ہے وہ سچا مومن ہے اور جسے اُن سے اختلاف ہے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ان حالات میں راہ حق کو سمجھنا انتہائی مشکل کام تھا۔

امامِ غزالی کی حساس طبیعت کسی فرقے کی عقائد کو بغیر تحقیق کے قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھی اور تحقیق کی راہ میں بے شمار رکاوٹیں حائل تھیں۔اِس صورتِ حال نے امام صاحب کی طبیعت میں ہیجان پیدا کر دیا۔امام صاحب نے باطل سے حق کی تمیز کے لیے مختلف فرقوں کے عقائد اور تعلیمات کا نہایت امعانِ نظر سے مطالعہ کیا؛ بلکہ اُن کے علوم میں کمال حاصل کیا۔

متکلمین، فلسفیوں اور فرقۂ باطینہ کے علوم میں تبحر حاصل کیا اور پھر اُن تمام فرقوں نے جہاں جہاں ٹھوکریں کھائی تھیں، اُن مقامات کے نشان دہی کی اور اُن کے مزعومات کی بڑے مدلّل انداز میں تردید کی اور آخر کار امام صاحب صوفیاے کرام کے مسلک کی طرف متوجہ ہوئے۔آپ نے اکابر صوفیاے کرام کی تصنیفات کا مطالعہ کیا اور بالآخر امام صاحب کو یقین ہو گیا کہ یہی طبقہ (یعنی طبقۂ صوفیا) ہی حق پر ہے۔

''المنقذ من الضلال'' امام صاحب کی زندگی کے اُسی مدو جزر کی داستان ہے۔امام صاحب جیسی علمی شخصیت تو تمام عقلی علوم کے برعکس تصوف ہی کو راہ حق قرار دیتی ہے؛ لیکن ہماری صفوں میں اُن لوگوں کی بھی کمی نہیں جو تصوف کو افیون کا نام دینے سے بھی باز نہیں آتے۔

عقلیت پسندی کے اس دور میں جب لوگ ہر چیز کو یہاں تک کہ الٰہیات کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں، امام صاحب کی یہ تصنیف انتہائی مفید ہے۔

کتاب کے آخر میں حقیقتِ نبوت کے متعلق امام صاحب کا مقالہ نہایت ہی بصیرت افروز ہے۔

تلاش حق کی راہ میں امام صاحب کو جن مراحل سے گزرنا پڑا وہ اُنھی کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے! اِنھی تفصیلات کا نام ''المنقذ من الضلال'' ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید

تمام تعریفیں اُس ذات بابرکات کے لیے ہیں، جس کی حمد وثنا سے ہر تحریر وتقریر کا آغاز ہوتا ہے۔ دُرود اور سلام ہو حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر۔ جو مقامِ نبوت ورسالت پر فائز ہیں۔ اور سلامتی ہو آپ کی آل پر اور آپ کے صحابۂ کرام پر جو گمراہی کی تاریکیوں میں راہ راست دکھانے والے ہیں۔

امابعد:

اے میرے دینی برادرِ عزیز! تو نے مجھ سے فرمائش کی کہ

- میں تیرے سامنے علوم کی غرض وغایت اور اُن کے اسرار ورموز بیان کروں۔
- مذہب کی تاریکیوں اور ان کے شر سے پردہ سرکاؤں۔
- تجھے بتاؤں کہ مختلف فرقوں کے متضاد راستوں سے حق تلاش کرنے میں مجھے کن کن تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔
- اور یہ کہ تقلید کی پستیوں سے ابھر کر بصیرت کی بلندیوں پر پہنچنے کی جرأت میں نے کیسے کی۔
- سب سے پہلے میں نے علم کلام سے کیا حاصل کیا۔
- دوسرے نمبر پر اہلِ تعلیم ۔ جو کسی امام کی تقلید میں حق کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اُن کے طریقوں سے مجھے کیا ملا۔
- فلاسفہ کی تعلیمات سے میں نے کیا اخذ کیا۔
- اور آخر کار کیوں کر طریقۂ تصوف پر مطمئن ہوا۔
- مخلوق کے بیانات کی مسلسل اور لگاتار جستجو کے دوران، حق کی روح مجھ پر کیسے ظاہر ہوئی۔

❁ وہ کیا اسباق تھے جن کے تحت طلبہ کی کثرت کے باوجود میں نے بغداد میں اشاعت علم کو خیر باد کہا۔

❁ اور پھر اتنے طویل مدت کے بعد میں نیشاپور کی طرف کیوں لوٹا۔

برادرِ عزیز!

تیرے جذبات میں مجھے سچائی کی جھلک نظر آتی ہے، اِسی لیے میں نے فوراً تیرے سوالات کا جواب دینے کا فیصلہ کیا۔ اب میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے پر ہوں، اُسی پر توکل کرتے ہوئے، اُسی سے توفیق طلب کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو اُسی کی پناہ میں دیتے ہوئے کہتا ہوں:

عزیزانِ محترم! اللہ جل مجدہٗ، تمھیں ہدایت حسنہ عطا کرے اور تمھارے دلوں کو قبولِ حق کے لیے نرم کردے۔

سمجھ لو! کہ مخلوقات کی ادیان وملل میں تقسیم، مذاہب میں ائمہ کا اختلاف اور ان کے مختلف مسلک، فرقے اور ان کا باہمی تضاد، وہ اتھاہ سمندر ہے جس میں بے شمار لوگ غرق ہوئے ہیں اور بہت کم اِس تباہی سے بچے ہیں۔

ہر فریق یہی سمجھتا ہے کہ وہی راہِ حق پر ہے اور ہر ایک اپنے مزعومات پر خوش ہے۔ یہ وہی صورتِ حال ہے جس کا وعدہ ہمارے ساتھ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سچ ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

''میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی اور اُن فرقوں میں سے صرف ایک ہی فرقہ نجات پانے والا ہوگا۔''

اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

میں اپنے زمانۂ جوانی ہی سے۔ جب میں سنِ بلوغ کو پہنچا تھا اور میری عمر بیس سال سے بھی کم تھی، اب تک جب کہ عمر پچاس سال سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔ اِس اتھاہ سمندر میں غوطہ زنی کر رہا ہوں۔ اِن گہرائیوں میں، میں کسی کمزور اور بُزدل انسان کی طرح نہیں؛ بلکہ ایک جرأت مند اور بے باک انسان کی طرح غوطہ زنی کرتا ہوں۔

میں تاریکیوں میں گھس جاتا ہوں، ہر مشکل کے دروازے پر دستک دیتا ہوں اور ہر گھاٹی میں چھلانگ لگا دیتا ہوں۔

میں ہر فرقے کے عقائد کی چھان پھٹک کرتا ہوں۔ ہر گروہ کے مذہب کے اسرار و رموز پر آگاہی حاصل کرتا ہوں؛ تاکہ میں سچے اور جھوٹے کے درمیان تمیز کر سکوں اور مجھے معلوم ہو سکے کہ راہِ سنت کا پیروکار کون ہے؟ اور کون بدعتی ہے؟

جب میں کسی باطن کے بارے میں غور کرتا ہوں تو میری خواہش ہوتی ہے کہ میں اُس کی بطانت کی حقیقت تک رسائی حاصل کروں۔

جب کسی ظاہری کی باری آتی ہے تو میرا ذوق جستجو مجھے اِس کی حقیقت تک پہنچنے پر مجبور کرتا ہے۔

میں فلسفی کے فلسفے کی روح تک پہنچنا چاہتا ہوں اور متکلم کے کلام اور مجادلہ کی غرض و غایت معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں ایک صوفی کی صفوت کے راز معلوم کرنا چاہتا ہوں اور میں اس جستجو میں رہتا ہوں کہ ایک عابد کو عبادت کا کیا صلہ ملتا ہے اور میں جب کسی بے راہ رو زندیق کو دیکھتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ اُن اسباب کا سراغ لگاؤں جن کے تحت اُس نے یہ راہ اختیار کرنے کی جرأت کی ہے۔

اُمور کی حقیقت تک کی رسائی کی پیاس اوائل عمر ہی سے میری شرست میں داخل ہے یہ چیز فطری اور جبلی ہے اور میرے ارادے و اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

میرے ذوق جستجو کی اس بے قراری کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں تقلید کے بندھن سے آزاد ہو گیا اور موروثی عقائد کا سحر ٹوٹنے لگا۔ بچپن میں جب میں دیکھتا کہ عیسائیوں کے بچے بڑے ہو کر عیسائی بن جاتے ہیں۔ یہودیوں کے بچوں کی نشوونما یہودیت پر اور مسلمانوں کے بچوں کی نشوونما اسلام پر ہوتی ہے اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیثِ مبارکہ بھی سن رکھی تھی:

''ہر بچے کی ولادت فطرتِ پر ہوتی ہے اور اس کے والدین ہی اُسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بناتے ہیں۔'' (متفق علیہ)

تو میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ یہ معلوم کروں کہ ''فطرتِ اصلیہ'' کی حقیقت

کیا ہے؟ اور اساتذہ اور والدین کی تقلید سے جو عقائد اختیار کیے جاتے ہیں اُن کی حقیقت کیا ہے؟

میں نے چاہا کہ اُن کی تقلیدات کے درمیان تمیز کرنے کی کوشش کروں۔ جب کہ ان تقلیدات کی بنیاد تلقینات پر ہے اور حق و باطل سے ممیز کرنے میں اختلافات ہیں۔ تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ میرا بنیادی مقصد اُمور کی حقیقتوں کا علم حاصل کرنا ہے؛ اس لیے یہ بات ضروری ہوگئی کہ یہ پتہ چلے کہ علم کی حقیقت کیا ہے؟

مجھ پر یہ بات واضح ہوئی کہ

''علمِ یقینی وہ ہے جس میں معلوم۔ جس چیز کا علم حاصل ہو۔ اِس طرح منکشف ہو کہ اُس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے اور نہ ہی اُس میں وہم اور غلطی کا کوئی امکان باقی رہے؛ بلکہ غلطی کے تصور کی بھی گنجائش نہ رہے۔

بلکہ کسی علم میں غلطی سے محفوظ رہنے کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ علم، یقین کے اس درجے پر ہو کہ اگر کوئی پتھر کو سونا اور عصا کو سانپ بنا کر دکھانے والا شخص بھی اِس علم میں شک وشبہ پیدا کرنے کی کوشش کرے تو نا کام رہے۔''

مثلاً:

جب مجھے یہ یقین ہے کہ دس تین سے زیادہ ہوتے ہیں اور کوئی شخص مجھ سے آ کر کہتا ہے کہ نہیں! تمھارا خیال غلط ہے؛ بلکہ تین دس سے زیادہ ہوتے ہیں اور اپنے اس دعوے کی دلیل یہ دے کہ وہ عصا کو سانپ کی شکل میں بدل سکتا ہے اور وہ عصا کو سانپ کی شکل میں تبدیل بھی کر دے اور میں یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لوں، تو بھی میں اپنے اس علم میں شک نہیں کروں گا کہ دس تین سے زیادہ ہوتے ہیں۔

اُس کی اس شعبدہ بازی سے مجھے زیادہ سے زیادہ اُس کی اِس مہارت پر تعجب تو ہوگا؛ لیکن اپنے علم میں شک؟ تو اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

پھر یہ بات مجھ پر منکشف ہوئی کہ

''جس چیز کے متعلق مجھے اِس معیار کا علم حاصل نہیں اور جس کے متعلق میرے یقین کی یہ کیفیت نہیں، اس علم پر نہ کوئی اعتماد کیا جا سکتا ہے او ور نہ ہی اُس میں غلطی سے محفوظ رہنے کی ضمانت

ہے۔اور ہر وہ علم جو غلطی سے محفوظ رہنے کی ضمانت نہ دے سکے اسے علم یقینی نہیں کہا جا سکتا۔''

پھر میں نے اپنے علوم کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ حسیات اور ضروریات کے علاوہ مجھے کسی چیز کے متعلق مذکورہ معیار کا علم حاصل نہیں ہے۔

اِس صورتِ حال سے مایوس ہو کر جب میں نے سوچا کہ اب اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ پیچیدہ مسائل کو حسیات اور ضروریات ہی کی روشنی میں حل کیا جائے، تو سب سے پہلے حسیات اور ضروریات کے متعلق تحقیق کر لینے کی ضرورت محسوس ہوئی؛ تا کہ یہ یقین حاصل ہو جائے کہ محسوسات پر میرا اعتماد اور ضروریات کے غلطی سے محفوظ ہونے کا یقین بھی کہیں اُسی طرح کا یقین تو نہیں جس طرح پہلے مجھے تقلیدات کے متعلق تھا اور جس طرح اکثر لوگ اپنے نظریات کو غلطی سے محفوظ سمجھتے ہیں۔اور آیا ضروریات اور حسیات کا غلطی سے پاک ہونا واقعی یقینی ہے اور اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

تو میں نے بڑی محنت سے محسوسات اور ضروریات کے متعلق غور وفکر شروع کر دیا۔ میں یہ دیکھنے کی کوشش کرتا کہ آیا ضروریات اور حسیات کے متعلق مَیں اپنے نفس کو شک وشبہ میں مبتلا کر سکتا ہوں یا نہیں؟ میری اس کوشش سے میرے دل نے محسوسات کو بھی غلطی سے محفوظ سمجھنے سے انکار کر دیا، محسوسات کے متعلق شکوک میں اضافہ ہونے لگا اور میرے دل نے یہ کہنا شروع کر دیا۔

محسوسات پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے جب کہ حواس میں سب سے مضبوط حِس، حِسِ بصارت ہے، آنکھ سایے کو دیکھتی اور سمجھتی ہے کہ سایہ ساکن ہے، متحرک نہیں ہے اور یہ آنکھ فیصلہ کر دیتی ہے کہ سایہ متحرک نہیں ہے۔

پھر کچھ وقت کے تجربے اور مشاہدے کے بعد آپ سمجھ جاتے ہیں کہ سایہ متحرک ہے اور یہ بھی کہ سائے نے دفعتہً حرکت نہیں کی؛ بلکہ وہ بتدریج آہستہ آہستہ حرکت میں ہے؛ بلکہ وہ کبھی ساکن نہیں تھا۔

آنکھ ستاروں کو دیکھتی ہے اور سمجھتی ہے کہ یہ دینار کی مانند چھوٹے ہیں، پھر ہندسہ کے دلائل وضاحت کرتے ہیں کہ ستارے تو مقدار میں زمین سے بھی بڑے ہیں۔

یہ اور اِسی طرح کے دیگر کئی محسوسات ہیں، جن کے متعلق (حِس) کوئی فیصلہ صادر کرتی

ہے اور عقل اُس کو جھٹلا دیتی ہے اور حس کے فیصلے کی اس زور سے تردید کرتی ہے کہ اس کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔

میں نے سوچا کہ محسوسات سے بھی اعتماد اٹھ گیا ہے، تو اب شاید عقلیات ہی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، جو [اولیات] میں سے ہیں۔

جیسا کہ ہم کہتے ہیں:

- ''دس تین سے زیادہ ہوتے ہیں۔''
- ''نفی اور اثبات ایک شے میں جمع نہیں ہو سکتے۔''
- یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی شے حادث ہو اور قدیم بھی۔''
- ''یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی شے موجود بھی ہو اور معدوم بھی۔''
- ''یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی شے واجب بھی ہو اور محال بھی۔''

میں یہی سوچ رہا تھا کہ محسوسات کی آواز آئی:

''تمھارے پاس اس چیز کی کیا ضمانت ہے کہ عقلیات پر تمھارا اعتماد اُسی نوعیت کا نہیں، جس طرح کا پہلے تمھیں محسوسات پر تھا؟

تم محسوسات پر مکمل اعتماد کرتے تھے، [یہاں تک] کہ عقل کا حاکم آیا اور اس نے محسوسات کو جھٹلا دیا اور اگر عقل کا حاکم نہ آتا تو تم ہمیشہ محسوسات کی تصدیق کرتے رہتے۔ ممکن ہے کہ عقل سے بڑا کوئی اور حاکم بھی موجود ہو اور جب وہ سامنے آئے تو عقل کے فیصلوں کو جھٹلا دے، جیسے کہ پہلے عقل کا حاکم آیا تو اس نے حِس کے فیصلہ کو مسترد کر دیا۔

اور اس قسم کے ادراک (عقل سے بڑے [حاکم]) کا ظاہر نہ ہونا، اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا ظاہر ہونا ممکن ہی نہیں۔''

میرے دل نے اِس سوال کے جواب میں تھوڑا سا توقف کیا۔ خواب کے احوال نے اس اعتراض کو تقویت دی اور کہا:

''کیا یہ بات سچ نہیں کہ تو خواب میں کچھ امور کو دیکھتا ہے اور کچھ خیالات تیرے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور تو اُن امور و خیالات کے وجود اور استقرار پر یقین کر لیتا ہے اور پھر جب تو

خواب سے بے دار ہوتا ہے تو تجھے معلوم ہوتا ہے کہ خواب میں پیش آنے والے معتقدات اور خیالات کی کوئی حقیقت نہیں۔

تو اس چیز کی کیا ضمانت ہے کہ حالتِ بے داری میں جن اُمور پر تو حِس اور عقل کی وجہ سے اعتماد کرتا ہے وہ تیری اِس موجودہ حالت کے لحاظ سے تو حق ہوں؛ لیکن ممکن ہے کہ تجھ پر کوئی ایسی حالت طاری ہو جائے جو تیری حالت بے داری کی نسبت وہی حیثیت رکھتی ہو جو حیثیت حالت بے داری کو خواب کے مقابل میں حاصل ہے۔

اور اس حالت کے مقابلے میں حالت بے داری کی وہی حیثیت رہ جائے، جو حالتِ بے داری کے مقابلے میں خواب کی ہے، جب یہ حالت طاری ہو جائے تو تجھے یقین ہو جائے کہ عقل جن معاملات کو حق سمجھتی تھی اُن کی تو قطعاً کوئی بنیاد ہی نہیں۔''

اور شاید یہی وہ حالت ہے جس کا دعویٰ صوفیاے کرام کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ نجب وہ مقام حال پر ہوتے ہیں اور حواس سے بے نیاز ہو کر اپنے من میں ڈوب جاتے ہیں۔ کہ وہ اُن احوال کا مشاہدہ کرتے ہیں جو معقولات سے مختلف ہوتے ہیں۔

اور شاید یہ [وہ] حالت [ہے جس کی تعبیر] 'موت' [سے کی جاتی] ہے۔

جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اَلنَّاسُ نِيَامٌ فَإِذَا مَاتُوا انْتَبَهُوْا.

لوگ حالت خواب میں ہیں اور جب اُنھیں موت آے گی تو وہ بے دار ہو جائیں گے۔

اور یا شاید دنیوی زندگی اخروی زندگی کے مقابلے میں خواب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور جب انسان کو موت آتی ہے تو اس کو اشیا اس سے مختلف نظر آتی ہیں جیسے کہ وہ انھیں زندگی میں دیکھتا ہے۔

تو اس وقت کہا جا سکتا ہے:

﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ.﴾

ہم نے تجھ سے پردہ اٹھا دیا تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔ (سورۂ ق: ۲۲)

جب میرے دل میں یہ خیالات پیدا ہوئے اور میرے جی میں پیوست ہو گئے تو میں

نے اِن سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی؛ لیکن یہ کام آسان نہیں تھا؛ کیوں کہ اِن کی تردید کے لیے دلیل کی ضرورت تھی اور دلیل معلوماتِ اوّلیہ کو ترتیب دینے سے ہی قائم کی جاسکتی تھی اور جب اوّلیات ہی مسلم نہ رہیں تو دلیل کا قیام ناممکن ہوگیا۔

یہ بیماری سخت ہوتی گئی اور تقریباً دو ماہ تک یہی حالت رہی۔ **اِس حالت میں مَیں قال کے اعتبار سے تو نہیں البتہ حال کے اعتبار سے سوفسطائی مذہب پر تھا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے شفا بخشی** اور میرا دل صحت اور اعتدال کی طرف پلٹنے لگا اور میں ضروریاتِ عقلیہ کو بلا خوفِ تردید مقبول اور قابل اعتماد سمجھنے لگا۔

اور یہ تبدیلی کسی دلیل کے زور پر نہیں آئی تھی؛ بلکہ اس کا سبب وہ نور تھا جس سے خداوند ِقدوس نے میرا سینہ منور فرما دیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ نور ہے جو اکثر معارف کی کنجی ہے اور جو شخص یہ گمان کرے کہ کشف کا دارومدار دلائل پر ہے، تو گویا اُس شخص نے خداوندِ کریم کی رحمتِ واسعہ کو تنگ کر دیا ہے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیت کریمہ:

﴿فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ.﴾

جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

(سورۂ انعام:۱۲۵)

میں ''الشرح'' کے معنی دریافت کیے گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''یہ وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ دل میں پیدا فرماتا ہے۔''

[اِس پر] آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس کی علامت کیا ہے: فرمایا:

''اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةِ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ.''

''دنیاے فانی سے منہ موڑ کر حیاتِ ابدی کی طرف متوجہ ہونا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ارشاد گرامی ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ الْخَلْقَ فِیْ ظُلْمَةٍ ثُمَّ رَشَّ عَلَیْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ.''

''اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو تاریکی میں پیدا فرمایا، پھر اُن پر اپنے انوار کی بارش کی''۔(تفسیرِ ابن کثیر، ج:۳،ص:۳۴۹)

یہی وہ نور ہے جس سے کشف حاصل کرنا چاہیے۔اِس نور کے چشمے بعض اوقات ذاتِ خداوندی سے پھوٹتے ہیں اور مومن کے لیے ضروری ہے کہ اِن بابرکت ساعتوں کی تلاش میں رہے۔

جیسے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے:

''اِنَّ لِرَبِّكُمۡ فِي أَيَّامِ دَهۡرِكُمۡ نَفَحَاتٌ أَلَا ! فَتَعَرَّضُوا لَهَا.''

''بعض ساعتوں میں تمھارا ربِ کریم اپنی شان غفوریت سے تجلّی فرماتا ہے تم ان ساعتوں کی تاک میں رہا کرو۔''

ان تمام حکایات سے مقصودِ اصلی صرف یہ ہے کہ انسان طلب وجستجو میں ان تھک محنت کرے ،حتیٰ کہ وہ اُن امور تک رسائی حاصل کرے جو عقل کی رسائی سے ماوراہیں ؛ کیوں کہ اوّلیات کی تلاش تو مقصود نہیں؛ کیوں کہ وہ تو حاضر ہیں اور حاضر کی جب طلب وجستجو کی جائے تو وہ مخفی ہو جاتا ہے۔اس لیے جو شخص اُن چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرے جو عقل کی رسائی سے ماوراہیں،تو اُس کو یہ الزام نہیں دیا جا سکتا کہ وہ معقولات کو حاصل کرنے کی جدو جہد کیوں نہیں کرتا۔

طالبین کی اقسام

جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے خاص فضل اور رحمت بے پایاں سے اس مرض سے شفا بخشی تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ طالبین کے چار گروہ ہیں:

- **متکلمین**: اِن کا دعویٰ ہے کہ وہ اہل الرائے اور صاحب حکمت ہیں۔
- **باطنیہ**: ان کا گمان ہے کہ وہ اصحابِ تعلیم ہیں اور وہ امامِ معصوم سے فیض حاصل کرتے ہیں اور یہ فیض صرف اُنھی کو حاصل ہوتا ہے۔
- **فلاسفہ**: ان کا گمان ہے کہ اِن کے معتقدات منطق اور دلیل پر مبنی ہیں۔
- **صوفیا**: اِن کا خیال ہے کہ وہ خاصانِ بارگاہِ خداوندی [ہیں] اور مشاہدہ اور مکاشفہ کے مقام پر فائز ہیں۔

میں نے اپنے دل میں سوچا کہ حق اِن چار اصناف سے باہر نہیں؛ کیوں کہ [یہ] گروہ طلبِ حق کی راہ پر گامزن ہیں اور اگر ان میں سے کوئی گروہ بھی حق پر نہیں، تو پھر حق کی تلاش بے سود ہے؛ کیوں کہ تقلید کو خیر باد کہنے کے بعد اب اُسی کی طرف لوٹ جانا ناممکن ہے؛ کیوں کہ مقلد کے لیے یہ شرط ہے کہ اُس کو یہ علم نہ ہو کہ وہ مقلد ہے اور جب اسے پتہ چل جائے کہ وہ مقلد ہے تو پھر تقلید کا شیشہ ٹوٹنے لگتا ہے اور اُس میں وہ دراریں اور لکیریں پڑ جاتی ہیں جن کو پُر نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اسے آگ میں پگھلا کر نئے سانچے میں نہ ڈھالا جائے۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ اِن فرقوں کے راستوں پر چل کر اِن کے معتقدات کی چھان بین کروں گا سب سے پہلے علمِ کلام، دوسرے نمبر پر فلسفہ، پھر فرقۂ باطنیہ اور آخر میں طریق صوفیا کا مطالعہ کروں گا۔

❁❁❁

علمِ کلام: غرض وغایت

میں نے علمِ کلام سے آغاز کیا، اُسے حاصل کیا، سمجھا، محقق متکلمین کی تصانیف کا مطالعہ کیا، [علمِ کلام] کے متعلق کچھ کتابیں تصنیف کیں۔ بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ علم اپنا مقصد تو پورا کرتا ہے؛ لیکن میرا مقصد پورا کرنے سے قاصر ہے۔

کیوں کہ [علمِ کلام] کا مقصد اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کا تحفظ اور اُنھیں اہلِ بدعت کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھنا ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف اپنے رسول ﷺ کی زبانی ایک عقیدہ نازل فرمایا جو حق ہے۔ اُس میں بندوں کی دینی اور دنیوی بہتری ہے اور قرآن وحدیث اُس عقیدے کی صداقت کے گواہ ہیں۔

پھر شیطان اہلِ بدعت کے ذہن میں کچھ ایسی باتیں ڈال دیتا ہے، جو سنت کے مخالف ہوتی ہیں، بدعتی اُن شیطانی وساوس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں اور اہلِ حق کی نظروں میں سچے عقیدے کو مشکوک بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے متکلمین کے گروہ کو پیدا فرمایا اور اُن کے دلوں میں یہ تحریک پیدا فرمائی کہ وہ سنت کی حفاظت ایسے مدلل کلام سے کریں جو اہلِ بدعت کی اُن تلبیسات کا پردہ چاک کردے جو انھوں نے سنتِ ماثورہ کے خلاف پیدا کر رکھی ہیں اور اس طرح علم الکلام اور اور متکلمین کا وجود عمل میں آیا۔

متکلمین کے ایک گروہ نے اِس فرض کو بڑی عمدگی سے انجام دیا جو اُنھیں بارگاہ خداوندی سے تفویض ہوا تھا اور اُنھوں نے سنتِ رسول اور رسول کی زبان پر نازل ہونے والے عقیدۂ حقہ کا تحفظ بڑی عمدگی اور خوش اسلوبی سے کیا اور اہلِ بدعت نے عقائد حقہ میں جو رخنے ڈال دیے تھے ان کو پُر کیا۔

لیکن اِس ساری تگ ودو میں اُنھوں نے اُن مقدمات پر اعتماد کیا جو اُنھیں مخالفین سے ملے تھے اور تقلید [یا] اجماعِ امت یا قرآن واحادیث کے بیان سے اُن مقدمات کو تسلیم کرنے پر

مجبور ہوئے تھے، اور اُن کی اکثر کوششوں کی بنیاد یہی ہوتی کہ وہ مخالفین کے مسلم مقدمات کی روشنی میں ہی مخالفین کی تردید اور مواخذہ کریں۔

یہ [طریقہ] اُس شخص کے لیے قطعاً مفید نہیں جو ضروریات کے علاوہ کسی چیز کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا؛ لہٰذا علم کلام میرے لیے کافی نہیں تھا اور نہ یہ اس بیماری کا علاج تھا جس میں میں مبتلا تھا۔

بلکہ جب علمِ کلام پھیلا اور اُس میں دل چسپی بڑھنے لگی، تو متکلمین کے دل میں یہ اشتیاق پیدا ہوا کہ وہ حقائقِ امور کی بحث کے ذریعے سنت کا دفاع کریں۔

وہ، جواہر و اعراض اور ان کے احکام کی بحث میں محو ہو گئے؛ لیکن چوں کہ یہ طریقہ اُن کے علم کا مقصود نہیں تھا؛ اس لیے علمِ کلام اپنا مقصد حاصل نہ کر سکا اور متکلمین کی کوششیں مخلوقات کے مابین اختلافات کی تاریکیوں کو ختم کرنے میں ناکام رہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کے یہ مقصد علمِ کلام سے کسی شخص کو بھی حاصل نہیں ہوا؛ بلکہ مجھے اس بات میں بھی شک نہیں کہ ایک گروہ نے واقعی علمِ کلام سے مقصد حاصل کیا ہے؛ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ ان لوگوں نے اوّلیات کے سوا بعض معاملات میں علمِ کلام سے جو یقین حاصل کیا ہے، وہ تقلید کی آمیزش سے خالی نہیں۔

یہاں میری مراد اپنی حالت بیان کرنا ہے اور جس شخص کو علمِ کلام سے فائدہ پہنچا ہے اس کا انکار مقصود نہیں ہے؛ کیوں کہ مختلف بیماریوں کے علاج مختلف ہوتے ہیں اور کتنی دوائیں ایسی ہیں جس سے مرض کو شفا حاصل ہوتی ہے؛ لیکن وہی دوا کسی دوسرے مریض کے لیے مضر ثابت ہوتی ہے۔

علمِ فلسفہ

اس میں مندرجہ ذیل چیزیں قابل ذکر ہیں:

۞ فلسفہ کیا ہے؟

۞ فلسفے میں کون سی چیزیں قابلِ مذمت ہیں اور کون سی قابلِ مذمت نہیں۔

۞ فلسفے کے کون سے اُمور کا قائل کافر ہوجاتا ہے۔

۞ وہ اُمور جن کا قائل کافر نہیں ہوتا۔

۞ وہ اُمور جن کا قائل بدعتی ہے۔

۞ وہ اُمور جن کا قائل بدعتی نہیں ہے۔

۞ وہ چیزیں جن کو فلاسفہ نے اہلِ حق کے کلام سے چوری کرکے اپنے کلام کے ساتھ ملا لیا ہے؛ تاکہ وہ اس طرح اپنے باطل کو ترویج دے سکیں۔

۞ فلسفے کے زیرِ اثر لوگ کس طرح حق سے متنفر ہوتے ہیں۔

۞ فلسفیوں کے سارے کلام سے حقائقِ حق کو کس طرح علاحدہ کیا جاسکتا ہے۔

علمِ کلام سے فراغت کے بعد میں نے علمِ فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا اور مجھے اس بات کا یقین ہوگیا کہ کوئی شخص کسی عالم کی گم راہ کن باتوں سے اُس وقت تک آگاہی حاصل نہیں کرسکتا، جب تک کہ وہ اُس علم میں کمال حاصل نہ کرے اور اُس علم میں اتنا کمال حاصل نہ کرے کہ اُس علم کے بڑے بڑے علما کا مقابلہ کرسکے؛ بلکہ وہ اُس سے بھی زیادہ اُس علم کی گہرائی میں جائے اور اُن اُمور کو منکشف کرے جن تک کسی باریک بیں علامہ کی نگاہ ہی جاسکتی ہے، اِس مقام پر پہنچ کر ہی اُس علم کے متعلق اُس کی تنقید کو قابلِ اعتماد سمجھا جاسکتا ہے۔

میرا مشاہدہ ہے کہ علماے اسلام میں سے کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ متکلمین کی کتابیں جن میں اُنھوں نے فلاسفہ کے رد کی کوشش کی ہے، پیچیدہ اور متفرق کلمات سے پُر ہیں۔ اُن میں باہمی تناقض واضح ہے۔ اُن سے تو ایک عام اَن پڑھ آدمی بھی دھوکا نہیں کھاسکتا۔

چہ جائے کہ وہ کسی ایسے شخص کو متأثر کرسکیں جس کو علوم میں مہارت کا دعویٰ ہو۔تو مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ کسی مذہب کو سمجھے اور اس کی تہہ تک گئے بغیر اس کا رد اور بطلان اندھیرے میں ہاتھ مارنے کے مترادف ہے۔

تو میں نے اِس علم کو حاصل کرنے کے لیے کمرِ ہمت کس لی۔ میں نے اِس علم کو صرف کتب کے مطالعہ سے حاصل کیا ہے، کسی استاد سے مدد نہیں لی۔ اور یہ کام میں نے علوم شرعیہ کی تدریس وتصنیف سے فارغ اوقات میں کرنا شروع کیا؛ حالاں کہ میں اُس وقت بغداد میں تقریباً تین سو طلبہ کی تدریس وافادے میں مشغول تھا۔

اُن مختصر اوقات میں صرف مطالعہ ہی سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے دو سال سے بھی کم عرصے میں مجھے فلسفے میں انتہائی درک عطا فرما دیا ، پھر میں فلسفے میں مسلسل غور وفکر کرتا رہا۔

ایک سال تک یہ حالت رہی کہ میں فلسفے کی تعلیمات کا تکرار کرتا رہا، اُنھیں دہراتا رہا اور اُن کی گہرائیوں اور باریکیوں میں اُترنے کی کوشش کرتا رہا۔ حتیٰ کہ مجھے علم ہوگیا کہ فلسفے میں کیا چیز مکروفریب پر مبنی ہے۔ کس چیز کی بنیاد حقیقت پر ہے اور کون سی اشیا کی بنیاد محض تخیل ہے۔

اب فلسفے اور اُس کے علوم کی روداد سنیے:

میں نے دیکھا کہ فلسفیوں کی کئی قسمیں ہیں، اُن کے علوم کی بھی کئی اقسام ہیں؛ لیکن اِس اختلاف کے باوجود وہ تمام کفر اور الحاد کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ گو کہ متقدمین اور متأخرین اُن کے ابتدائی معتقدات اور بعد کے خیالات میں حق سے قرب اور دوری کے معاملے میں بہت بڑا تفاوت موجود ہے۔

فلسفے کی اقسام
اور اُن تمام پر کفر کا اطلاق

یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ فلسفیوں کو فرقوں کی کثرت اور مذاہب کے اختلاف کے با وجود اُنھیں تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

- الدہریون
- الطبیعیون
- الالٰہیون

پہلی قسم: الدہریون

یہ فلاسفۂ متقدمین کا وہ گروہ ہے جنھوں نے مدبر، عالم اور صاحبِ قدرت خالق کا انکار کیا۔ اُن کا یہ گمان تھا کہ یہ عالَم (کائنات) اِسی طرح ہمیشہ سے موجود ہے، اس کا کوئی بنانے والا (صانع) نہیں ہے۔

نطفے سے حیوان کی تخلیق ہوتی رہی اور حیوان نطفہ پیدا کرتا رہا۔ یہ ہمیشہ سے اسی طرح ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ اِسی طرح ہوتا رہے گا۔ فلاسفہ کا یہ گروہ زندیقیوں کا گروہ ہے۔

دوسری قسم: الطبیعیون

یہ وہ ہے جنھوں نے عالَمِ طبیعات میں بکثرت غور وخوض کیا، حیوانات ونباتات کے عجائبات پر بحث کی، حیوانات کے اعضا کی تشریح میں بکثرت غور وفکر کیا۔

اپنے اس مطالعے اور مشاہدے کے دوران اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کے شاہ کار دیکھے، اس کی تخلیقات کے عجائبات کا مشاہدہ کیا اور اِس طرح وہ ایک صاحبِ حکمت خالق کو تسلیم کرنے پر مجبور رہ گئے۔ ایسا صانع حکیم جو اُمور کی غرض وغایت سے آگاہ ہے۔

اور جو شخص بھی 'علمِ تشریح الابدان' اور 'منافعِ اعضا' کا مطالعہ کرتا ہے تو لامحالہ اسے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ حیوان کی تخلیق اُس کے خالق کی کامل تدبیر کا نتیجہ ہے اور خصوصاً انسان کی تخلیق

میں تو یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ فلسفی (طبیعیون) طبیعات کے بکثرتِ مطالعہ سے اس نتیجے پر پہنچے کہ مزاج کے اعتدال کا قوائے حیوانی میں بہت بڑا عمل دخل ہے۔

اُنھوں نے خیال کیا کہ انسان کی قوتِ عاقلہ بھی مزاج کی تابع ہے اور جب مزاج بگڑ جاتا ہے تو قوتِ عاقلہ بھی ختم اور معدوم ہو جاتی ہے اور جو چیز معدوم ہو جائے اُس کا اعادہ خلاف عقل ہے۔ اِس سے انھوں نے یہ عقیدہ قائم کرلیا کہ جب کسی چیز کو موت آتی ہے تو وہ دوبارہ زندہ نہیں ہوسکتی۔ اپنے اِسی عقیدے کے تحت انھوں نے آخرت، جنت و دوزخ، حشر ونشر، قیامت اور حساب وکتاب کا انکار کر دیا۔ ان کے [یہاں] نہ نیکیوں پر ثواب کا عقیدہ رہا اور نہ برائیوں پر عذاب کا۔ وہ بے لگام ہو گئے اور چوپاؤں کی طرح شہواتِ نفسانی میں منہمک ہو گئے۔

یہ لوگ بھی زندیق (بے ایمان) ہیں؛ کیوں کہ ایمان تو نام ہے اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت کا اقرار اور اِن لوگوں نے آخرت کا انکار کر دیا، اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات پر ایمان رکھتے ہیں۔

تیسری قسم: الالٰہیون

یہ فلاسفۂ متأخرین کا گروہ ہے۔ جیسے سقراط جو افلاطون کا استاد ہے، افلاطون ارسطاطالیس کا استاد۔ ارسطاطالیس (ارسطو) ہی وہ شخص ہے جس نے علمِ منطق کو ترتیب دیا۔ علوم کی چھان پھٹک کی، فلسفیوں کے لیے وہ چیز تحریر کیں جو پہلے تحریر نہیں ہوسکیں تھیں، اور فلسفیوں کے جو علوم تشنہ طلب تھے، اُنھیں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

فلاسفۂ الٰہیہ نے پہلے دونوں گروہوں: 'دہریہ اور طبیعیہ' کا انکار کیا اور اُن کے معائب کا پردہ اِس عمدگی سے چاک کر دیا کہ دوسرے لوگ اُن کی تردید سے بے نیاز ہو گئے، ان کی اس جنگ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس جنگ سے بے نیاز کر دیا۔

﴿وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ﴾

(سورۂ احزاب: ۲۵)

پھر ارسطو نے، سقراط، افلاطون اور دیگر الٰہیین کی تردید کی اور اِس تردید میں اِس حد

تک پہنچا کہ اُن تمام سے براءت کا اعلان کر دیا؛ لیکن اِس کے باوجود ارسطو کے عقائد میں (الٰہیہ) کے عقائدِ کفریہ میں سے چند چیزیں باقی رہ گئیں، جن سے چھٹکارا حاصل کرنے کی اسے توفیق نہ ہوئی؛ اِس لیے اِن سب فلسفیوں اور اِن کے گروہ مثلاً: اسلامی فلاسفہ میں سے 'فارابی' اور 'ابنِ سینا' وغیرہ کی تکفیر لازم آتی ہے۔

حالاں کہ ارسطو کے علم کو اسلامی فلاسفہ میں سے کسی نے بھی اِس طرح نقل نہیں کیا جیسا کہ اِن دونوں (فارابی ورابن سینا) نے نقل کیا ہے اور اِن دونوں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جو چیزیں نقل کی ہیں، اُن میں سے اِس قدر خلطِ مبحث اور پیچیدگی ہے کہ قاری پریشان ہو کر رہ جاتا ہے اور کچھ سمجھ نہیں پاتا اور جو چیز سمجھ میں ہی نہ آئے اس کو رد یا قبول کیسے کیا جا سکتا ہے۔

اِن دونوں آدمیوں (فارابی اور ابن سینا) کی نقل سے ارسطو کی جو تعلیمات ہمارے نزدیک صحیح ہیں ان کی تین قسمیں ہیں:

۞ وہ چیزیں جن سے اُس کی تکفیر لازم ہے۔
۞ وہ چیزیں جن سے وہ مذہب ٹھہرتا ہے۔
۞ وہ چیزیں جن کا انکار قطعاً ضروری نہیں۔

ہم ان چیزوں کو تفصیلاً بیان کرتے ہیں۔

۞۞۞

ان کے علوم کی قسمیں

یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ ہمارے مطالعے کے مدعا کے لحاظ سے ان کے علوم کی چھ قسمیں ہیں:

(۱) ریاضیات (۲) منطق (۳) طبیعیات
(۴) الٰہیات (۵) سیاسیات (۶) خلقیات۔

ریاضیات:

اِس کا تعلق حساب، ہندسہ اور عالَم کی حقیقت سے ہے اور اِن میں سے کسی چیز کا امورِ دینیہ کے اثبات و انکار سے کوئی تعلق نہیں؛ بلکہ یہ برہانی امور ہیں، اِن کو سمجھ لینے کے بعد اِن کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، اِس علم سے دو مصیبتیں پیدا ہوئیں ہیں:

پہلی آفت:

اِس علم سے پہلی مصیبت یہ پیدا ہوتی ہے کہ جو شخص اِس میں غور وفکر کرتا ہے، وہ اِس کے دلائل کی قوت اور اِس کی باریکیوں کو دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے، اور اِسی وجہ سے فلسفیوں کے متعلق وہ اچھا عقیدہ قائم کر لیتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ فلسفیوں کے تمام علوم، وضاحت اور دلائل کی قوت کے لحاظ سے اِسی قسم کے ہوتے ہیں۔ پھر وہ شخص لوگوں کی زبانی فلسفیوں کے کفریات اور لغویات اور شریعت کی توہین کی باتیں سنتا ہے اور محض [اُن کی] اندھی تقلید کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے اگر دین حق ہوتا تو وہ اُن لوگوں پر مخفی نہ رہتا جو اِس علم میں اتنا اونچا مقام رکھتے ہیں۔ اور جب وہ یہ سنتا ہے کہ گہری نظر رکھنے والے فلسفی دین کا انکار کرتے ہیں، تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ دین کا انکار کرنا ہی حق اور راہِ راست ہے، اِس وجہ سے کتنے ہی لوگ گم راہ ہو جاتے ہیں اور ان کا کوئی چارہ نہیں رہتا۔

اور جب فلسفہ سے متأثر اِس شخص سے کہا جائے کہ

یہ ضروری نہیں کہ جو شخص کسی ایک فن میں ماہر ہو وہ سارے ہی فنون میں ماہر ہو،
یہ ضروری نہیں کہ فقہ اور کلام کا ماہر ایک ماہر طبیب ہو،
اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو علومِ عقلیہ کو نہیں جانتا وہ نحو سے بھی نابلد ہو؛
بلکہ ہر فن کے ایسے ماہرین گزرے ہیں جو اپنے فن میں کمال اور عروج تک پہنچے ہیں، اگرچہ اس مخصوص فن کے سوا دیگر شعبوں میں احمق اور جاہل ہی نظر آتے ہوں۔

[لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ] فلاسفۂ متقدین کا کلام، ریاضیات میں برہانی ہے اور الٰہیات میں تخمینی ہے اور یہ حقیقت اُسی شخص پر منکشف ہو سکتی ہے جو اِس کا تجربہ کرے اور اِس کی گہرائی میں اتر کر دیکھے۔

لیکن یہ باتیں جب اُس شخص کے کانوں تک پہنچتی ہیں جو تقلید کے دام میں گرفتار ہے، تو اُس کے دل پر کچھ اثر نہیں کرتیں؛ بلکہ خواہشات کا غلبہ، تعصب اور اپنی فطانت کا گمان اُسے مجبور کرتا ہے کہ فلاسفہ کے متعلق علوم میں حسن ظن رکھے۔

یہ بہت بڑی مصیبت ہے اِس لیے جو شخص اِن علوم میں منہمک ہو جائے اُسے منع کرنا چاہیے؛ کیوں کہ باوجود اِس کے کہ یہ علم امورِ دین سے متعلق نہیں؛ لیکن چوں کہ علومِ فلسفہ کے مبادیات میں سے ہے؛ اس لیے اُس تک اِس کا شر پہنچ جاتا ہے۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو اِس علم میں منہمک ہوئے ہوں اور دین کا طوق بھی اُن کی گردن سے علاحدہ نہ ہوا ہو اور وہ تقویٰ کی رسی سے آزاد نہ ہوئے ہوں۔

دوسری آفت:

دوسری آفت اسلام کے جاہل دوست کی پیدا کردہ ہے، وہ یہ گمان کرتا ہے کہ نصرتِ دین کا تقاضا یہی ہے کہ جو علم بھی فلسفیوں کی طرف منسوب ہو اس کا انکار کر دیا جائے اور وہ فلاسفہ کے تمام علوم کا انکار کر دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ وہ جاہل ہیں، حتیٰ کہ چاند اور سورج کے گرہن کے متعلق فلاسفہ کے اقوال کی بھی وہ تردید کر دیتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ اس سلسلے میں جو کچھ فلسفی کہتے ہیں وہ شریعت کے خلاف ہے۔

جب اِس جاہل آدمی کا یہ انکار، اُس شخص تک پہنچتا ہے جو اِن چیزوں کو دلائلِ قطعیہ کی

روشنی میں جانتا ہے، تو اُسے اپنی دلیل میں تو کوئی شک پیدا نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ اسلام جہالت اور دلائلِ قطعیہ کے انکار پر مبنی ہے اور اِس طرح اُس کے دل میں فلسفے سے محبت اور اسلام سے نفرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ شخص اسلام پر بہت بڑا ظلم کرتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ نصرتِ حق اِن علوم کے انکار ہی کا نام ہے۔ حالاں کہ شریعت میں اِن علوم کی نفی واثبات کے متعلق کوئی حکم موجود نہیں اور نہ ہی یہ امورِ دینیہ سے تعرض کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، اِن کو کسی بھی شخص کی موت یا زندگی سے گرہن نہیں لگتا اور جب تم یہ (گرہن) دیکھو تو اللہ تبارک وتعالیٰ اور نماز کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔'' (متفق علیہ)

اِس میں علمِ حساب کا انکار نہیں، جس سے سورج اور چاند کے چلنے، اکٹھا ہونے اور ایک مخصوص صورت میں ایک دوسرے کے مقابل آنے کا پتہ چلتا ہے۔

[حدیث شریف میں یہ زیادتی]:

''جب اللہ تعالیٰ کسی چیز پر تجلی فرماتا ہے تو وہ اُس کے سامنے جھک جاتی ہے۔''

صحاح میں سے کسی کتاب میں نہیں ملتی۔

یہ تھا علمِ ریاضی اور اس سے پیدا ہونے والی مصیبت کا بیان۔

منطق:

اِس علم کا بھی انکار یا اقرار کے لحاظ سے دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں؛ بلکہ اِس میں تو اِس چیز سے بحث کی جاتی ہے کہ

- دلائل اور قیاسات کے طریقے کیا ہیں؟
- برہان کے مقدمات کی شرطیں کیا ہیں؟ اور اُن کو کس طرح ترتیب دیا جاتا ہے؟
- 'حدِ صحیح' کے شرائط کیا ہیں؟ اور اس کی ترتیب کی کیفیت کیا ہے؟
- اور یہ کہ علم یا تو تصور ہوگا یا تصدیق۔ تصور کی معرفت حد سے اور تصدیق کی معرفت برہان سے حاصل ہوتی ہے۔

اِن میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں جس کا انکار ضروری ہو؛ بلکہ یہ تو وہی چیزیں ہیں، جنھیں متکلمین اور اہلِ نظر نے دلائل کے سلسلہ میں بیان کیا ہے۔ فرق صرف عبارات اور اصطلاحات کا ہے یا تعریفات و تفریعات میں مزید غور و فکر کرنے کا۔ مثلاً متکلمین کہتے ہیں:

کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ

[ہر 'الف' = 'ب' ہے۔]

تو یہ ضروری ہے کہ

[بعض 'ب' = 'الف' ہو۔]

یعنی اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ہر انسان حیوان ہے تو ضروری ہے کہ بعض حیوان انسان ہوں۔ اور اسی چیز کو مناطقہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ ہوتا ہے۔''

اور اِن چیزوں کا ضروریاتِ دین سے کیا تعلق ہے؛ کہ اِن کا اقرار یا انکار کیا جائے اور اگر کوئی شخص انکار کرے، تو اس سے حاصل صرف یہ ہوگا کہ اہلِ منطق انکار کرنے والے کے دین کے متعلق بدگمان ہو جائیں گے، جس دین کو وہ [یعنی منطق کا انکار کرنے والے] اِن چیزوں [یعنی منطق] کے انکار پر موقوف سمجھتا ہے۔

لیکن اس حقیقت کے باوجود منطق میں کچھ غلط چیزیں بھی موجود ہیں اور وہ یہ کہ مناطقہ برہان کے لیے ایسی شرطیں مقرر کرتے ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ علمِ یقینی کا فائدہ دیتی ہیں؛ لیکن جب مقاصدِ دینیہ کی باری آتی ہے تو وہ اُن شروط کو پورا نہیں کر سکتے؛ بلکہ اُس میں مجرمانہ تساہل کا مظاہرہ کرتے ہیں اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جو شخص منطق کو پسند کرتا ہے اور اس کے دلائل کو واضح سمجھتا ہے، وہ یہ گمان کرنے لگ جاتا ہے کہ مناطقہ سے جو کفریات منقول ہیں ان کی تائید میں بھی اس قسم کے واضح دلائل موجود ہیں۔ اور اس طرح وہ علوم الٰہیہ تک پہنچنے سے پہلے ہی کفر کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ اور یہ مصیبت اس علم (منطق) کی پیدا کردہ ہے۔

علم طبیعیات:

اِس علم میں عالَمِ سماوات، ستاروں اور اُن کے تحت جو اجسامِ مفردہ۔ مثلاً: پانی، ہوا، مٹی

اور آگ- اور اجسامِ مرکبہ ہیں- جیسے: حیوانات اور معدنیات- اُن سے بحث کی جاتی ہے اور اِن چیزوں میں تغیر، استحالہ اور امتزاج کے اسباب زیر بحث آتے ہیں۔ یہ ایسے [ہی] ہے، جیسے علم طب میں انسانی جسم، اُس کے اعضائے رئیسہ وخادمہ اور اُن کے مزاج کے استحالے کے اسباب سے بحث کی جاتی ہے۔

اور جس طرح علمِ طب کا انکار شرائطِ دین میں سے نہیں؛ اُسی طرح اس علم (طبیعیات) کا انکار بھی دین کی شرائط میں سے نہیں ہے، سوائے ان متعین مسائل کے جن کا ذکر ہم نے اپنی کتاب ''تہافتہ الفلاسفہ'' میں کر دیا ہے اور اُن کے علاوہ چند دوسرے مسائل جن میں اِس علم کی مخالفت ضروری ہے۔ اور ذرا تأمل سے پتہ چل جاتا ہے کہ ان مسائل کا ذکر بھی ضمناً ہماری کتاب میں آگیا ہے۔

مختصر یہ کہ ہمیں یہ یقین رکھنا چاہیے کہ طبیعت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ خود بخود کچھ نہیں کرتی؛ بلکہ اس کا خالق اُسے جس طرح استعمال کرتا ہے وہ اُسی طرح کام کرتی ہے۔ سورج، چاند، ستارے اور طبائع حکمِ خداوندی کے تابع ہیں: اُن میں سے کوئی چیز بھی اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتی۔

الٰہیات:

یہی وہ علم ہے جس میں فلاسفہ نے بکثرت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اِس مقام پر وہ براہین [و دلائل] میں وہ شرطیں پوری نہ کر سکے، جو انھوں نے علمِ منطق میں مقرر کی تھیں، اِسی لیے اِس سلسلے میں اُن کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔

ارسطو کا مذہب جس کو فارابی اور ابنِ سینا نے نقل کیا ہے، اسلامیین کے مذہب کے قریب ہے۔

وہ جملہ مسائل جن میں اُنھوں نے غلطی کی ہے، ان کو بیس اصول میں منحصر کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے تین میں تو اُن کی تکفیر ضروری ہے اور سترہ میں اُن کو بدعتی اور فاسق قرار دینا ضروری ہے۔

اِن بیس مسائل میں اُن کی تردید کے لیے ہم نے ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس کا نام

''تہافۃ الفلاسفہ'' ہے۔

وہ تین مسائل جن میں ان کی تکفیر لازمی ہے، اُن میں انھوں نے تمام مسلمانوں کی مخالفت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

①

مرنے کے بعد جسموں کو نہیں اٹھایا جائے گا۔

ثواب وعذاب صرف ارواح کو ہوگا۔

ثواب وعذاب روحانی ہوگا، جسمانی نہیں۔

روحانیت کے اقرار میں تو فلسفی سچے ہیں؛ کیوں کہ یہی حق ہے؛ لیکن جسمانیت کے انکار میں وہ جھوٹے ہیں اور اپنے اِس قول سے وہ شریعت کے منکر قرار پاتے ہیں۔

②

فلسفی کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کلیات کا عالم ہے، جزئیات کا نہیں۔''

اور یہ بھی صریح کفر ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں کا کوئی ذرہ بھی علمِ خداوندی سے باہر نہیں۔

③

فلسفی کہتے ہیں:

''جہان (عالم) قدیم اور ازلی ہے۔''

(یعنی حادث نہیں، اور ہمیشہ سے یوں چلا آرہا ہے۔)

لیکن کوئی مسلمان بھی اِن چیزوں کا معتقد نہیں ہے۔

۞ اور فلسفی صفات کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خداوندِ کریم اپنی ذات ہی سے علیم ہے اور اُس کی صفت علیم اس کی ذات کا غیر نہیں اور اِسی قسم کی دوسری چیزیں۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن میں فلاسفہ کا مذہب معتزلہ کے مذہب کے قریب ہے اور اِن چیزوں میں معتزلہ کی تکفیر واجب نہیں۔

ہم نے اپنی کتاب ''فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ'' میں اُس آدمی کی رائے کو غلط ثابت کیا ہے جو اپنے مذہب کے مخالف ہر چیز پر فوراً کفر کا فتویٰ جڑ دیتا ہے۔

سیاسیات:

اِس علم میں وہ چیزیں زیرِ بحث آتی ہیں جن کا تعلق دنیوی امور اور جہاں بانی کی حکمتوں اور مصلحتوں سے ہوتا ہے۔ اِن چیزوں کا ماخذ یا تو انبیاے کرام -علیہم وعلیٰ نبینا الصلاۃ السلام- پر نازل ہونے والی الہامی کتابیں ہیں یا وہ حکمتیں ہیں جو انبیاے سابقین -علیہم وعلیٰ نبینا الصلاۃ والسلام- سے منقول ہیں۔

خلقیات:

اس علم میں فلاسفہ کی گفتگو، نفس کی صفات، اخلاق، اُن کے انواع واجناس کے بیان، اور نفس کے مجاہدہ کی کیفیت [کا بیان ہوتا] ہے۔ یہ چیزیں اُنھوں نے صوفیا کے کلام سے اخذ کی ہیں اور صوفیا وہ لوگ ہیں جو یادِ الٰہی میں منہمک ہیں، مخالفتِ نفس اُن کا شعار ہے، دنیوی مشاغل سے کنارہ کش ہو کر خدا کے راستے پر گامزن ہیں، مجاہدات کے دوران نفس کے عیب اور خوبیاں اُن پر ظاہر ہو جاتی ہیں اور نفس کے اعمال کی آفتیں اُن کے سامنے منکشف ہو جاتی ہیں۔ صوفیا نے اِن چیزوں کو صراحت سے بیان فرما دیا ہے:

فلاسفہ نے اِن چیزوں کو اپنے کلام میں شامل کر لیا؛ تا کہ اِن کے ذریعے اُن کے باطل معتقدات رواج پا سکیں۔

اِن (فلسفیوں) کے زمانے میں بھی اللہ والوں کا یہ گروہ موجود تھا؛ بلکہ یہ لوگ ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی دور میں بھی زمین کو اِن کے وجود سے محروم نہیں رکھتا؛ کیوں کہ یہی لوگ تو زمین کا ستون ہیں، اِنھی کے وسیلے سے اہلِ دنیا پر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اِنھی لوگوں کے وسیلے سے تم پر بارشیں نازل ہوتی ہیں اور اِنھی کے واسطے سے تمھیں رزق ملتا ہے۔''

[اصحابِ کہف اِنھی لوگوں میں سے تھے، یہ گروہ پہلے زمانوں میں بھی موجود تھا، جیسا کہ قرآنِ کریم میں مذکور ہے۔]

فلسفیوں کے انبیا اور اولیاے کرام کے کلام کو اپنے کلام سے ملا لینے سے دو آفتوں نے جنم لیا۔

(۱) وہ آفت جو انکار کرنے والے پر نازل ہوتی ہے۔

(۲) وہ آفت جو قبول کرنے والے پر نازل ہوتی ہے۔

①

انکار کرنے والے پر جو آفت نازل ہوتی ہے، وہ بہت خطرناک ہے؛ کیوں کہ کم عقل لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ چیزیں چوں کہ فلسفیوں کی کتابوں میں موجود ہیں اور فلسفیوں کے غلط اعتقادات کے ساتھ ملی ہوئی ہیں؛ اس لیے ضروی ہے کہ اِن کو نظر انداز کر دیا جائے اور اِن کا ذکر تک نہ کیا جائے؛ بلکہ جو اِن چیزوں کا ذکر کرے اُسے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ کیوں کہ اِن چیزوں کو اُنھوں نے پہلی دفعہ فلسفیوں ہی کی زبانی سنا تھا؛ اس لیے اُن کی کمزور عقلوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ چیزیں غلط ہیں؛ کیوں کہ ان کو بیان کرنے والے باطل ہیں۔

جس طرح کوئی شخص کسی عیسائی سے سنتا ہے:

''لا الہ الا اللہ عیسیٰ رسول اللہ۔''

تو اِس کا انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ نصرانیوں کا قول ہے اور ذرا توقف کر کے یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتا کہ:

''آیا عیسائی یہ کلمہ پڑھنے کی وجہ سے کافر ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے؟ اگر عیسائی کے کفر کی بنیاد صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار ہی ہے، تو ضروری نہیں کہ عیسائی کی مخالفت اُن باتوں میں بھی کی جائے جنھیں وہ حق سمجھتا ہو اور فی نفسہٖ وہ چیزیں حق ہی ہوں۔''

یہ کم عقل لوگوں کی عادت ہے کہ وہ لوگوں کے ذریعے حق کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں، نہ کہ حق کے ذریعے لوگوں کو پہچاننے کی۔

عقل مند آدمی تو اس سلسلے میں امیر المومنین حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کی پیروی کرتا ہے:

''حق کو لوگوں کے ذریعے نہ پہچانو! بلکہ حق کی معرفت حاصل کرو! اہلِ حق خود بخود تمھیں نظر آجائیں گے۔''

صاحبِ بصیرت شخص حق کو سمجھتا ہے اور پھر کسی قول کا تجزیہ کرتا ہے۔ اگر وہ قول حق ہو، تو اسے قبول کر لیتا ہے، خواہ اس کا قائل اہل حق میں سے ہو یا اہل باطل میں سے۔ بلکہ عقل مند آدمی تو بعض اوقات کوشش کرتا ہے کہ گم راہ لوگوں کے اقوال سے حق کی بات کو حاصل کرے؛ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ سونا مٹی کی تہہ کے نیچے ہی سے ملتا ہے۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ایک ماہر جوہری کسی حیلہ گر کی تھیلی میں ہاتھ ڈال کر کھوٹے اور بے کار سونے سے اصلی اور خالص سونا نکال لے؛ کیوں کہ اپنی بصیرت کی بنا پر اُسے یقین ہوتا ہے کہ وہ خالص سونے کی پہچان میں دھوکا نہیں کھائے گا۔

ہاں! البتہ کم علم، دیہاتی کو حیلہ گر کے چکروں سے باز رکھنا چاہیے، نہ کہ ایک ماہر جوہری کو۔ اِسی طرح ایک اناڑی آدمی کو تو ساحل سمندر جانے سے منع کرنا چاہیے؛ لیکن فنِ تیراکی کے ماہر کو روکنے کی ضرورت نہیں۔ سانپ کو چھونے سے ایک بچے کو تو منع کرنا چاہیے؛ لیکن ماہر سپیروں کو یہ مشورہ دینے کی ضرورت نہیں۔

لیکن حیرت تو اِس بات پر ہے کہ اب اکثر لوگ اپنی ذات کے متعلق یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بڑے ہوشیار اور ماہر ہیں، حق کو باطل سے اور ہدایت کو گم راہی سے اپنی عقل کے زور پر تمیز کر سکتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تمام لوگوں کو گم راہ لوگوں کی کتابوں کے مطالعہ سے روکا جائے؛ کیوں کہ جو لوگ اُن کتابوں کے مطالعے میں منہمک ہو گئے، وہ اگر چہ مذکورہ بالا آفت سے تو بچ سکتے ہیں؛ لیکن دوسری آفت سے ان کا محفوظ رہنا مشکل ہے، جس کا ہم ابھی ذکر کریں گے۔

اسرارِ علومِ دین کے متعلق ہماری تصانیف کے بعض کلمات پر چند ایسے لوگوں نے اعتراضات کیے ہیں جو رموزِ علوم کو نہیں سمجھتے اور اُن کی نظریں مذاہب کی غایات تک نہیں پہنچ سکتیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کلمات فلاسفہ متقدمین کے کلام سے ماخوذ ہیں؛ حالاں کہ حقیقت یہ ہے

کہ اِن کلمات میں سے بعض تو میری اپنی فکر کا نتیجہ ہیں اور یہ [بھی] بعید از قیاس نہیں کہ ایک راہ رو کا قدم وہیں پڑے، جہاں پہلے بھی کسی مسافر نے قدم رکھا تھا۔

اِن کلمات میں سے بعض تو کتبِ شرعیہ میں موجود ہیں، بعض ایسے ہیں جن کا مفہوم کلامِ صوفیا سے ماخوذ ہے۔ اگر بالفرض یہ کلمات صرف فلاسفہ ہی کے کلام میں پائے جاتے ہوں؛ لیکن درحقیقت معقول ہوں اور اِن کی تائید میں دلائل بھی موجود ہوں اور قرآن وسنت کے مخالف بھی نہ ہوں، تو کیا یہ ضروری ہے کے اِن کلمات کو نظر انداز اور ترک کر دیا جائے؟

اگر ہم نے یہ دروازہ کھول دیا اور اِس راستے پر چل نکلے کہ ہر حق کو ٹھکرا دیا جائے جو پہلے کسی باطل پرست کے ذہن میں بھی آ چکا ہے، تو پھر ضروری ہو جائے گا کہ ہم بہت سی حق باتوں کو ٹھکرا دیں۔

اس صورت میں ہمارے لیے ضروری ہو جائے گا کہ ہم قرآنِ حکیم کی تمام آیات، احادیثِ مبارکہ، حکایاتِ سلَفِ صالحین، حکما اور صوفیا کے کلام کو ٹھکرا دیں؛ کیوں کہ کتاب ''اخوان الصفا'' کے مصنف نے اِن چیزوں کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ اِن سے استشہاد کیا ہے اور اِن کے ذریعے جاہل لوگوں کو باطل کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اہلِ باطل حق کو اپنی کتابوں میں بیان کر دیں گے اور اِس طرح حق کو ہمارے ہاتھوں سے چھین لیں گے۔

ایک عالم کا معیار کم از کم اتنا تو ہونا [ہی] چاہیے کہ وہ عام جاہل شخص سے ممتاز ہو سکے۔ اگر شہد کو جراح کے برتن میں دیکھے تو [شہد] سے نفرت کرنا شروع نہ کر دے اور اِس حقیقت کو سمجھ جائے کہ جراح کا برتن شہد کی اصلیت کو نہیں بدل سکتا؛ کیوں کہ شہد سے نفرت کی وجہ ایک عام شخص کی جہالت ہے جس کی بنیاد اُس غلط مفروضے پر ہے کہ جراح کا برتن غلیظ خون کے لیے بنایا گیا ہے اور وہ جاہل شخص یہ گمان کرتا ہے کہ خون اس لیے غلیظ ہے؛ کیوں کہ وہ جراح کے برتن میں ہے اور یہ نہیں سمجھ سکتا ہے کہ خون اپنے ذاتی وصف کی بنا پر غلیظ ہے۔ اور چوں کہ وہ وصف، شہد میں ذاتی طور پر موجود نہیں، اِس لیے اُس برتن میں ڈالے جانے سے شہد میں وہ وصف پیدا نہیں ہوتا؛ اس لیے اس کو غلیظ سمجھنا صحیح نہیں۔

یہ محض غلط وہم ہے؛ لیکن مصیبت یہ ہے کہ اکثر لوگ اِس وہم میں مبتلا ہیں۔اس لیے کسی کلام کی نسبت آپ کسی ایسے شخص کی طرف کر دیتے ہیں جسے [لوگ] اچھا سمجھتے ہیں،تو وہ اِس بات کو تسلیم کر لیتے ہیں،خواہ یہ بات غلط ہی کیوں نہ ہو۔اور اگر آپ کسی بات کی نسبت ایسے شخص کی طرف کر دیتے ہیں جسے [لوگ] برا سمجھتے ہیں تو وہ اُس بات کو ٹھکرا دیں گے خواہ وہ بات حق ہی کیوں نہ ہو۔

اِس لیے اب لوگوں نے حق کو لوگوں کے ذریعے سمجھنا شروع کر دیا ہے اور لوگوں کو حق کے ذریعے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور یہی گم راہی کی انتہا ہے۔

یہ تو تھی اِس علم کا انکار کرنے سے پیدا ہونے والی آفت۔

②

وہ آفت جو اُسے قبول کرنے پر نازل ہوتی ہے۔

جو شخص فلاسفہ اخلاقیین کی کتب ''اخوان الصفا'' وغیرہ کا مطالعہ کرتا ہے اور اُن میں حکمِ انبیا اور کلماتِ صوفیا کو دیکھتا ہے،جن کو انھوں ں نے اپنے کلام کے ساتھ شامل کیا ہے،تو وہ اُنھیں اچھا سمجھ کر قبول کر لیتا ہے اور اُن کے متعلق حسنِ اعتقاد رکھنا شروع کر دیتا ہے اور اِس حسنِ ظن کی وجہ سے وہ فلاسفہ کی اُن غلط باتوں کو بھی تسلیم کر لیتا ہے جو اِن اچھی چیزوں کے ساتھ خلط ملط کر دی گئی ہیں اور اس طرح وہ باطل کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے۔

اِس آفت سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو فلاسفہ کی کتب کے مطالعے سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے؛ کیوں کہ اُن کے مطالعے سے لوگوں کو دھوکا کھانے کا اندیشہ ہے۔

اِس لیے جس طرح تیراکی سے ناآشنا آدمی کو ساحل کی پھسلن سے دور رکھنا ضروری ہے، اُسی طرح لوگوں کو اُن کی کتب کے مطالعے سے باز رکھنا ضروری ہے۔

جس طرح بچوں کو سانپوں کو چھونے سے منع کرنا ضروری ہے،اُسی طرح کانوں کو اُن کے خلط ملط کلمات کے سننے سے بچانا ضروری ہے۔

جس طرح ایک ماہر سپیرے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کم سن بچے کے سامنے سانپ کو ہاتھ نہ لگائے؛ کیوں کہ اُسے معلوم ہے کہ بچہ بھی اُس کی پیروی کرے گا اور سمجھے گا کہ وہ بھی

اپنے باپ کی طرح ہے۔

بلکہ سپیرے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچے کو اس سے ڈرائے اور یہ ظاہر کرے کہ وہ بھی سانپ سے ڈرتا ہے اور بچے کے سامنے سانپ کو ہاتھ نہ لگائے۔

اُسی طرح ایک عالم شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ بھی لوگوں کو اِس آفت سے بچانے کے لیے، اُن کے سامنے اِن کتب کا مطالعہ نہ کرے۔

یہاں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ جس طرح ایک ماہر سپیرا سانپ کو پکڑتا ہے اور اپنی مہارت سے سمجھ جاتا ہے کہ اُس میں زہر کیا ہے اور تریاق کیا ہے، وہ تریاق نکال لیتا ہے اور زہر کو پھینک دیتا ہے، جب کسی شخص کو تریاق کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ بخوشی اسے تریاق دے دیتا ہے۔ یا جس طرح ایک ماہر جوہری حیلہ گر کی تھیلی میں ہاتھ ڈال کر اُس سے خالص سونا نکال لیتا ہے اور کھوٹے سکے پھینک دیتا ہے اور جب کسی شخص کو خالص سونے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ اُسے سونا دینے میں بخل سے کام نہیں لیتا۔ بعینہٖ یہی حالت ایک عالم کی ہونی چاہیے کو وہ فلاسفہ کی کتب کا مطالعہ کر کے حق اور باطل میں تمیز کرے اور حق کے متلاشیوں کو حق بات بتانے میں بخل سے کام نہ لے۔

جس طرح اگر کوئی تریاق کا محتاج، تریاق قبول کرنے سے صرف اِس لیے انکار کر دے کہ وہ سانپ سے نکلا ہے جو زہر کی جگہ ہے، تو اُسے سمجھانا ضروری ہے، اگر کوئی مال کا ضرورت مند سونا لینے سے محض اِس لیے انکار کر دے کہ وہ حیلہ گر کی تھیلی سے نکالا گیا ہے، تو اسے ہمیشہ تنبیہ کرنا ضروری کہ اُس مال سے اُس کی نفرت محض جہالت ہے، جو اس کے لیے مقصد سے محرومی کا سبب ہے۔ اُسے یہ سمجھانا ضروری ہے کہ خالص سونا، کھوٹے سکوں کے ساتھ اکٹھا ہونے سے کھوٹا نہیں ہو جاتا۔ جس طرح کہ کھوٹا سکہ اگر سونے کے پاس پڑا رہے تو سونا نہیں بن جاتا۔

یہی حال حق اور باطل کا ہے؛ کہ حق اور باطل ایک دوسرے کے نزدیک ہونے سے نہ حق، باطل ہو جاتا ہے اور نہ باطل، حق۔

یہ تھا فلاسفہ کی آفتوں اور مصائب کا بیان۔

مذہبِ اہلِ تعلیم اور اس کی آفت

جب میں فلسفہ کو پڑھنے، سمجھنے اور پرکھنے سے فارغ ہو، اتو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ علم بھی میرا مقصد اور مدعا پورا نہیں کرتا اور یہ کہ عقل تمام مطالب کا احاطہ نہیں کرسکتی اور نہ ہی وہ تمام مشکلات کا حل بتاسکتی ہے۔

اِس دور میں اہلِ تعلیم کا بہت شہرہ تھا۔لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ یہ لوگ اُمور کے معانی وحقائق کو امام معصوم (جوحق کے ساتھ قائم ہیں) سے حاصل کرکے بیان کرتے ہیں۔

میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اِن کے اقوال کو پرکھوں؛ تاکہ مجھے پتہ چلے کہ ان کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔

پھر اتفاق ایسا ہوا کہ مجھے دربارِ خلافت سے حکم ملا کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کروں جس میں اِن لوگوں کے مذہب کی حقیقت کی وضاحت ہو۔میں اس حکم سے سرتابی نہ کرسکا؛ بلکہ یہ حکم میرے لیے ایک خارجی محرّک ثابت ہوا۔جس سے اصلی اور باطنی محرّک کوتقویت ملی۔میں نے اُن کی کتابوں اورمقالات کوجمع کرنا شروع کردیا۔

میرے علم میں اِس گروہ کی چندنئ باتیں آچکی تھیں، جومعاصرین کے ذہن کی پیداوار تھیں اوراُن کے اسلاف سے مروج طریقے پرمنقول نہیں تھیں۔میں نے ان کلمات کوجمع کیااور ان کوتحقیق کے انداز میں عمدگی سے ترتیب دیااور پھر بڑی محنت سے ان کا جواب دیا۔

بعض اہلِ حق نے میرے اِس طرزِعمل پراعتراض کیااورکہا:

''میں [امام غزالی] اُن لوگوں کے دلائل کو بیان کرنے میں مبالغہ کررہا ہوں اور یہ ایک ایسی کوشش ہےجس کا فائدہ اُنھی کو پہنچے گا؛ کیوں کہ اگر میری تحقیقات نہ ہوتیں تو وہ اپنے مذہب کے شبہات کواس عمدگی سے ثابت نہ کرسکتے۔''

اہلِ حق کا یہ اعتراض ایک لحاظ سے حقیقت پر مبنی ہے؛ کیوں کہ حضرتِ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے معتزلہ کے رد میں ایک کتاب تصنیف کی، توحضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے

ان پر اعتراض کیا۔

حضرت حارث نے کہا:

''بدعت کی تردید فرض ہے۔''

حضرت احمد بن حنبل نے جواب دیا:

''یہ صحیح ہے؛ لیکن آپ نے پہلے معتزلہ کے شبہات کو بیان کیا ہے اور پھر اُن کا جواب دیا ہے، تو کیا یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص اُن شبہات کا مطالعہ کرے اور وہ اُس کے دل میں اتر جائیں اور جواب کی طرف وہ متوجہ ہی نہ ہو، اور اگر جواب کی طرف متوجہ ہو تو اسے سمجھ ہی نہ سکے۔

امام احمد بن حنبل کا فرمان حق ہے؛ لیکن اُن کے شبہات کے بارے میں [ہے] جو مشہور نہیں ہوئے؛ لیکن جو شبہات عام اور مشہور ہو چکے ہیں، اُن کا جواب واجب ہے اور جب تک کسی اعتراض کو بیان نہ کیا جائے، اُس کا جواب ممکن ہی نہیں۔

ہاں! البتہ یہ بات صحیح ہے کہ اِن شبہات کے بیان میں تکلف سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اور میں یہ وضاحت کر دوں کہ میں نے اس سلسلے میں قطعاً تکلف سے کام نہیں لیا اور اپنی طرف سے شبہات گھڑنے کی کوشش نہیں کی؛ بلکہ میں نے اُن شبہات کو اپنے بعض دوستوں سے سنا تھا اور اُن میں سے بعض ایسے تھے جو اہل تعلیم کے رفیق مذہب رہ چکے ہیں۔

ایسے ہی ایک دوست نے مجھے بتایا کہ اہلِ تعلیم اُن لوگوں پر ہنستے ہیں جنھوں نے اُن کے رد میں کتابیں تصنیف کی ہیں اور کہتے ہیں کہ انھوں نے ہمارے دلائل کو سمجھا ہی نہیں، جواب کیا خاک دیں گے۔

میرے اس دوست نے میرے سامنے اہلِ تعلیم کے دلائل اُنھی کی زبانی بیان کیے۔ میں یہ گوارا نہیں کرسکتا تھا کہ میرے متعلق بھی یہی گمان کیا جائے کہ میں نے ان کے دلائل کے سلسلے میں غفلت برتی ہے۔ اِس لیے میں نے اُن دلائل کو بیان کر دیا اور نہ میں یہ چاہتا تھا کہ میرے متعلق یہ گمان کیا جائے کہ میں نے اُن کے دلائل کو سنا تو ہے سمجھا نہیں۔ اِسی لیے میں نے اُن کے دلائل کی تقریر اُنھی کے منشا کے مطابق کر دی۔

مقصد یہ ہے کہ میں نے پہلے اُن کے شبہات کو پورے زور وشور سے بیان کیا ہے اور پھر

اُن کی تردید میں دلائل کا سارا زور صرف کر دیا ہے۔

مختصر یہ کہ اُس گروہ اور اُن کے کلام سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور ہمارے جاہل دوست اُس گروہ کی مدد نہ کرتے تو یہ بدعت اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اِس درجے تک پہنچ ہی نہ سکتی۔ لیکن برا ہو تعصب کا؛ اِسی تعصب کی بنا پر حق کے حامیوں نے اُن لوگوں کے ساتھ اُن کے کلمات کے مقدمات کے سلسلے میں طویل بحثیں کیں اور جو کچھ بھی اُن کی زبانی سے سنا، اُس انکار کر دیا؛ حتیٰ کہ حامیانِ حق نے اُن کے اِس دعوے کو بھی رد کر ڈالا کہ ''تعلیم اور معلم ضروری ہیں'' اور یہ کہ ''ہر معلم تعلیم کی اہلیت نہیں رکھتا بلکہ معصوم معلم کا وجود ضروری ہے۔''

تعلیم اور معلم کی ضرورت کے سلسلے میں اہلِ تعلیم کے دلائل مظبوط تھے، اور اُن کے مخالفین کے دلائل کمزور، اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کا ایک گروہ اِس صورت حال سے دھوکا کھا گیا۔ وہ یہ سمجھنے لگے کہ دلائل کی اِس جنگ میں اہلِ تعلیم کی فتح کا سبب یہ ہے کہ ان کا مذہب سچا ہے اور اُن کے مخالفین کا مذہب جھوٹا۔

وہ بے چارے یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ اِس کا سبب حامیانِ حق کی کمزوری اور اُن کا اپنے مذہب کو نہ سمجھنا ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم معلم کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ معلم کا معصوم ہونا ضروری ہے؛ لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہمارے معلمِ معصوم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اب اگر وہ کہیں:

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو چکا ہے۔''

تو ہم کہیں گے:

''تمھارے معلم غائب ہیں۔''

اگر وہ کہیں:

''ہمارے معلم نے داعیوں کو علم سکھا کے دنیا میں پھیلا دیا ہے اور باہمی اختلاف یا کوئی مشکل پیش آجانے کی صورت میں وہ امامِ غائب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور امامِ غائب ان کے منتظر رہتے ہیں۔''

تو ہم کہیں گے:

’’ہمارے معلم نے داعیوں کو علم سکھایا اور انھیں دنیا میں پھیلا دیا اور تعلیم کو مکمل کر دیا جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔‘‘

﴿اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِيۡ الآية.﴾

(سورۂ مائدہ: ۳)

’’آج کے دن میں نے مکمل کر دیا تمھارے لیے دین کو، تم پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا۔‘‘

اور جب تعلیم مکمل ہو جائے تو معلم کا وصال اُسی طرح کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، جس طرح اس کے غائب ہو جانے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

اب رہا اُن کا یہ قول:

’’جو چیزیں تم نے نہیں سنیں ان کے متعلق کیا فیصلہ کرو گے؟ آیا نص سے؟ تو نص تو تمھارے پاس موجود نہیں، یا اجتہاد اور رائے سے؟ تو اُس میں غلطی کا امکان ہے۔‘‘

اُن کے سوال کے جواب ہم کہیں گے:

ہم وہی کچھ کریں گے جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں یمن کی طرف بھیجا تھا اور وہ یہ کہ جب ہمارے پاس نص موجود ہوگی تو ہم نص کے مطابق فیصلہ کریں گے اور اگر نص موجود نہ ہوئی تو ہم اجتہاد سے کام لیں گے۔ بلکہ ہم وہی کچھ کریں گے جو ان کے داعی کرتے ہیں جب کہ وہ امام سے بہت دور کسی شہر میں ہوتے ہیں؛ کیوں کہ وہ نص سے تو فیصلہ نہیں کر سکتے؛ کیوں کہ نصوص محدود اور متناہی ہیں اور حوادثِ دہر غیر متناہی اور داعی کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ہر واقعے کے سلسلے میں امام کے دور دراز شہر کی طرف رجوع کرے اور اگر بالفرض وہ امام کے شہر کی طرف چل ہی پڑے تو ممکن ہے کہ اس کے امام کے شہر سے واپس آنے تک مسئلہ پوچھنے والے صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے ہوں، اس صورت میں امام کی طرف رجوع سے کیا حاصل ہوگا۔‘‘

جس آدمی کے ذہن میں جانبِ قبلہ کے سلسلے میں التباس واقع ہو جائے، اُس کے لیے اِس کے سوا اور چارہ ہی نہیں کہ وہ سمتِ قبلہ کے سلسلے میں اجتہاد کرے اور نماز پڑھ لے؛ کیوں کہ اگر وہ امام کے شہر کی طرف کوچ کرے گا تو نماز کا وقت جاتا رہے گا اور اگر اجتہاد کے بعد غالبِ ظن

کے مطابق نماز پڑھ لی جائے اور حقیقت یہ ہو کہ سمتِ قبلہ ٹھیک نہ ہو تو بھی نماز ادا ہو جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ

''اجتہاد میں غلطی کرنے والے کو ایک اجر ملتا ہے اور جس کا اجتہاد صحیح ہوتا ہے اس کو دو اجر ملتے ہیں۔''

یہی صورتِ حال تمام مجتہدات کی ہے۔

فقیر کو زکاۃ دینے کا معاملہ بھی اِسی قسم کا ہے؛ کیوں کہ زکاۃ دینے والا کسی شخص کو اپنے اجتہاد کی بنا پر فقیر سمجھے؛ حالاں کہ حقیقت یہ ہو کہ وہ مال دار ہو اور اُس نے اپنا مال چھپا رکھا ہو۔ اِس صورت میں اُس سے مواخذہ نہیں ہوگا - اگر چہ اُس نے اجتہاد میں غلطی کی - کیوں کہ اُس سے اُس کے ظن کے مطابق ہی مواخذہ ہوگا۔

اور اگر کوئی کہے:

''اُس کے مخالف کا ظن بھی تو اُسی نوعیت کا ہے۔''

تو ہم جواب دیں گے:

''وہ اپنے ظن کی پیروی کرنے کا کا پابند ہے، جس طرح کے سمتِ قبلہ کے سلسلے میں اجتہاد کرنے والا اپنے ظن کے مطابق عمل کرتا ہے، اگر چہ کسی دوسرے کا ظن اُس سے مختلف ہی کیوں نہ ہو۔''

اور اگر کوئی کہے:

''مقلد امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی تقلید کرے یا اُن کے علاوہ کسی دوسرے کی۔''

تو میں کہوں گا:

''اگر کسی شخص پر سمتِ قبلہ مشتبہ ہو جائے اور اِس سلسلے میں اجتہاد کرنے والوں کے درمیان اختلاف بھی پیدا ہو جائے تو وہ کیا کرے گا؟''

وہ جواب دے گا:

''اُس کے پاس ذاتی بصیرت ہے، جس سے وہ قبلہ کے سلسلے میں اجتہاد کرنے والوں کے اجتہادات میں سے افضل اجتہاد کو منتخب کرسکتا ہے اور وہ اُسی اجتہاد کی پیروی کرے گا۔''

تو یہی حکم مذاہب کی تقلید کا بھی ہے۔

ثابت ہوا کہ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ انبیا اور ائمۂ مجتہدین کی اجتہاد کی پیروی کریں۔ اِس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی کہ مجتہد سے کبھی اجتہاد میں غلطی بھی سرزد ہو جاتی ہے۔

بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں اور دل کے بھیدوں کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔''

یعنی میں غالبِ ظن کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں جو گواہوں کی گواہی سے حاصل ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ گواہوں نے گواہی میں غلطی کی ہو۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے متعلق یہ ارشاد فرما رہے ہیں، تو پھر دوسرے مجتہدین کے متعلق یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ اُن سے اجتہاد میں غلطی سرزد نہیں ہو گی۔

یہاں وہ دو سوال اٹھاتے ہیں:

❁ **پہلا** یہ کہ اِس چیز کو اگر مجتہدات کے سلسلے میں تسلیم کر بھی لیا جائے، تو بھی عقائد کے اصول میں اُس کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا؛ کیوں کہ عقائد میں غلطی کرنے والا معذور متصور نہیں ہوتا، تو اس کا کیا حل ہو گا؟

میرا جواب یہ ہے:

''عقائد کے اصول کتاب وسنت میں موجود ہیں، باقی رہیں جزئیات و تفصیلات تو اُن میں جو مختلف فیہ ہیں اُن کو ''قسطاسِ مستقیم'' پر پرکھ کر، حق کی معرفت حاصل کی جائے گی اور ''قسطاسِ مستقیم'' وہ موازین (معیار) ہیں، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام قرآن مجید میں کر دیا ہے۔ ان کی تعداد پانچ ہے اور ہم نے اپنی کتاب ''القسطاس المستقیم'' میں انھیں بیان کر دیا ہے۔''

اگر مخالف کہے:

''آپ کا مخالف اِس میزان کو تسلیم نہ کرے تو پھر کیا ہو گا؟''

تو میں جواب دوں گا:

''یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص اُس میزان کو سمجھ جائے اور پھر مخالفت کرے؛ کیوں کہ اِس سلسلے میں اہلِ تعلیم کا بھی اختلاف نہیں؛ کیوں کہ میں نے یہ چیزیں قرآنِ حکیم سے اخذ کی ہیں۔

اس میزان میں مناطقہ کوبھی کوئی اختلاف نہیں، کیوں کہ یہ اُن شرائط کے مطابق ہے جو اُنھوں نے علمِ منطق میں مقرر کی ہیں،اُن کے مخالف نہیں۔

متکلم کوبھی کوئی اختلاف نہیں؛ کیوں کہ یہ میزان اُن دلائل کے موافق ہے، جو وہ نظریات کے سلسلے میں قائم کرتے ہیں اور کلامیات میں اُسی سے وہ حق کی پہچان حاصل کرتے ہیں۔''

اگر معترض کہے:

''جب تمھارے پاس اس قسم کا میزان موجود ہےتو پھرلوگوں کے درمیان اختلافات کو ختم کیوں نہیں کردیتے۔''

تو میں کہوں گا:

''اگرلوگ میری باتوں کوغور سے سنیں تو اُن کے درمیان اختلافات کوختم کردوں۔ میں نے اپنی کتاب ''القسطاس المستقیم''میں اختلافات ختم کرنے کا طریقہ بھی درج کیا ہے۔آپ اُسے غور سے دیکھیں! آپ کومعلوم ہوجائے گا کہ وہ حق ہےاوراگرلوگ اُس کی طرف توجہ دیں تو باہمی اختلافات ختم ہوسکتے ہیں؛لیکن مصیبت یہ ہے کہ تمام لوگ اُس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے؛ ہاں!ایک جماعت نے میری باتوں کوغور سے سنا تو میں نے اُن کے درمیان اختلافات کوختم کردیا۔

بلکہ آپ ذرا یہ بھی سوچیں کہ لوگوں کے متوجہ نہ ہونے کے باوجود آپ کے امام اُن کے درمیان اختلافات کوختم کرنا چاہتے ہیں،تو کیا وجہ ہے کہ وہ ابھی تک اختلافات کوختم نہیں کرسکے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جوتمام اماموں کے سردار ہیں،انھوں نے اختلاف کو کیوں ختم نہیں کیا؟

اور کیا وہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ تمام لوگوں کواپنی بات سننے پر مجبور کرسکتے ہیں،اگرایسی بات ہےتو اُنھوں نے لوگوں کو جبراًاپنی بات سنا کران کے اختلافات کوختم کیوں نہیں کیا؟اوراس کارِخیرکوکس دن کے لیے مؤخرکررہے ہیں؟اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ آپ کی دعوت سے لوگوں میں اختلافات کی زیادتی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوا؟

اختلاف کی صورت میں تو ایسے ضرر کا خدشہ تھا جس کی تباہ کاریاں،خوں ریزی،شہروں

کی بربادی، بچوں کو یتیم کرنے، راہ زنی اور ڈاکہ زنی تک نہیں پہنچتی تھیں؛ لیکن اِس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے تم نے جو کوششیں کیں، اُس کی برکت سے اختلافات کی خلیج اتنی وسیع ہو گئی جس کی مثال نہیں ملتی۔''

❁ اور اگر معترض کہے:

آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں اختلافات کو ختم کر سکتا ہوں؛ لیکن جو شخص مختلف مذاہب اور اختلافات میں حیران و سرگرداں ہے، اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ آپ کی بات تو سنے اور آپ کے مخالف کی بات نہ سنے، اور اکثر مدِّ مقابل آپ کے مخالف ہیں، تو ان کے اور تمھارے درمیان کوئی فرق نہ رہا؟

یہ ہے اہل تعلیم کا دوسرا سوال۔

میں اس سوال کے جواب میں معترض سے کہتا ہوں:

''سب سے پہلے تو تمھارا یہ سوال تمھاری طرف ہی لوٹ جاتا ہے؛ کیوں کہ جب آپ وادیِ حیرت میں بھٹکنے والے کسی شخص کو اپنی طرف بلائیں گے، تو وہ آپ سے کہے گا کہ حضرت آپ کس طرح اپنے مخالفین سے بہتر ٹھہرے؟ جب کہ صورت حال یہ ہے کہ اکثر اہل علم آپ کے مخالف ہیں، تو سچ سچ بتائیے آپ کیا جواب دیں گے؟

کیا آپ یہ کہیں گے:

''میرے امام کے متعلق نص موجود ہے۔''

تو ذرا بتائیے کہ آپ کے نص کے دعوے کی تصدیق کوئی کیسے کرے گا؟ جب کہ اُس نص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے سنا ہی نہیں؛ بلکہ اُس نے یہ دعویٰ تمھاری زبانی سنا ہے اور صورتِ حال یہ ہے کہ اکثر اہلِ علم تمھیں افترا پرداز اور جھوٹا کہتے ہیں۔

اور بالفرض اگر وہ شخص آپ کے دعوے کو تسلیم بھی کر لے تو ہو سکتا ہے کہ نبوت کے سلسلے میں ہی شک میں مبتلا ہو۔ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے وہ تمھارے امام سے معجزے کا مطالبہ کر دے۔ اور بالفرض اگر آپ کے امام صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا معجزہ ہی دکھا دے اور اُس شخص سے کہہ دیں کہ میری صداقت کی دلیل یہ ہے کہ میں تیرے باپ کو زندہ کر سکتا ہوں اور

واقعی وہ اُس کے باپ کو زندہ بھی کر دے اور اُس کا باپ زندہ ہو کر اس کی تصدیق بھی کر دے، تو پھر بھی وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اِس معجزے کے باوجود میں آپ کے امام کی صداقت کا یقین کیسے کرلوں؟ جب کہ یہ حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ معجزہ دکھنے کے باوجود تمام لوگ آپ کی صداقت پر ایمان نہیں لائے؛ بلکہ اس سلسلے میں اتنے مشکل سوالات پیش آتے ہیں جن کا جواب گہری نظرِ عقلی کے بغیر ممکن نہیں، اور نظرِ عقلی تو آپ کے [یہاں] قابل اعتماد ہی نہیں۔

دوسرا یہ کہ معجزے کا صداقت پر دلالت کرنا اُس وقت تک سمجھ ہی نہیں آ سکتا، جب تک کہ جادو کی حقیقت کا علم نہ ہو، جادو اور معجزے کے درمیان تمیز کرنے کی قدرت نہ ہو، اور جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو گم راہ نہیں کرتا۔ اضلال کا سوال اور اُس کے جواب کی مشکلات مشہور ہیں، تو آپ اِن تمام اعتراضات کو کیسے رفع کریں گے؟

اور آپ کے امام صاحب اپنے مخالفین سے زیادہ قابل اتباع نہیں۔ اس صورت میں وہ نظری دلائل کی طرف رجوع کرے گا، جن کا وہ پہلے انکار کرتا ہے اور اُس کے مخالفین بھی اُنھی چیزوں سے استدلال کرتے ہیں؛ بلکہ اُن کا استدلال زیادہ واضح اور بین بھی ہوتا ہے۔

ان کا یہ سوال انھی کے لیے بہت بڑی مصیبت ثابت ہوا۔ اگر ان کے اگلے پچھلے سب جمع ہو جائیے تو بھی اِس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔

خرابی تو صرف اُن کمزور لوگوں کی پیدا کردہ ہے، جنھوں نے اہلِ تعلیم سے مناظرے کے لیے اُن کا سوال اُنھی کی طرف نہیں لوٹایا اور جواب دینے کی کوشش کرتے رہے اور بات بہت لمبی ہوگئی اور یہ بات نہ جلدی سمجھ میں آتی ہے اور نہ اِس طرح مخالف کو خاموش کیا جا سکتا ہے۔

اگر معترض کہے:

یہاں تو تم نے ہمارا سوال ہماری طرف ہی لوٹا دیا۔ [کیا] آپ کے پاس اِس کا کوئی جواب بھی ہے؟

میں کہوں گا:

ہاں! اِس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں حیرت میں مبتلا ہوں اور اِس مسئلے کا تعین نہ کرے جس میں وہ متحیر ہے، تو اُس سے کہا جائے گا کہ تو ایسے مریض کے طرح ہے جو

کہتا ہے کہ میں مریض ہوں ؛لیکن اپنی بیماری کی حقیقت کو بیان نہیں کرتا اور علاج چاہتا ہے،تو اُس مریض سے کہا جائے گا کہ دنیا میں مرضِ مطلق کا کوئی علاج نہیں ؛ بلکہ معین امراض کے علاج موجود ہیں، جیسے: درد ِسر اور اسہال وغیرہ۔

اِسی طرح ضروری ہے کہ متحیر اُس مسئلے کا تعین کرے،جس میں وہ متحیر ہے،اور اگر وہ مسئلے کا تعین کر دے تو میں موازینِ خمسہ کے معیار پر پرکھ کر اُسے حق سمجھا دوں گا۔موازینِ خمسہ کہ جو بھی اُن کو سمجھ جائے ،[وہ] میزانِ حق تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے-اور میزان پر جو چیز پوری اترے وہ قابلِ اعتماد ہوتی ہے-اِن موازین کو سمجھ کر وہ وزن کی صحت کو بھی سمجھ جائے گا،جیسا کہ حساب کا طالبِ علم جب حساب کو سمجھ جاتا ہے تو اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ حساب کا استاد حساب کا عالم ہے اور حساب کے سلسلے میں جو کچھ کہتا ہے سچ ہے۔

میں نے اس چیز کو اپنی کتاب ''القسطاس المستقیم''-جو تقریباً ۲۰/اوراق پر مشتمل ہے-میں وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔اِس کتاب کا غور سے مطالعہ کرنا چاہیے۔

اِس جگہ اہل تعلیم کے مذہب کا فساد بیان کرنا مقصود نہیں؛ کیوں کہ میں نے اِس چیز کو پہلے اپنی کتاب ''المستظہری''میں [اُس کے بعد]اپنی کتاب ''حجۃ الحق''میں بیان کیا-[حجۃ الحق] اُن کے اُس اعتراض کا جواب ہے جو بغداد میں مجھ پر کیا گیا- پھر میں نے اِس چیز کو اپنی کتاب ''مفصل الخلاف''میں بیان کیا[ہے]جو گیارہ فصلوں پر مشتمل ہے۔اِس میں اُن کے اُس اعتراض کا جواب ہے جو ہمدان میں مجھ پر کیا گیا۔

پھر یہی چیز میری کتاب ''الذرج''میں زیر بحث آئی۔یہ کتاب خاکوں کی شکل میں ہے اور اُن کے اُن گھٹیا اعتراضات کا جواب ہے،جو طوس میں مجھ پر کیے گئے۔

پھر میں نے اپنی کتاب ''القسطاس المستقیم''تصنیف کی۔یہ ایک مستقل کتاب ہے اور اِس کا مقصدِ تصنیف علوم کے میزان کو بیان کرنا اور یہ ظاہر کرنا[ہے] کہ جو شخص اِس میزان کو سمجھ لے اُس کو امام معصوم کی حاجت نہیں رہتی؛ بلکہ اُس سے مقصد یہ حقیقت واضح کرنا ہے کہ اہلِ تعلیم کے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو اختلاف کی ظلمتوں کو کافور کر سکے؛ بلکہ وہ تو تعینِ امامت کے دعوے پر دلیل بھی قائم نہیں کر سکے۔

ہم تو اس سلسلے میں یہاں تک گئے کہ ہم نے ان کے دعوے ''ضرورتِ علم'' کو تسلیم کیا۔ ''معلم معصوم کی ضرورت'' کو تسلیم کیا اور اُن سے کہا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ معلمِ معصوم وہی ہستی ہے جس کے متعلق تم دعویٰ کرتے ہو۔ یہ سب کچھ تسلیم کر لینے کے بعد ہم نے اُن سے پوچھا کہ ذرا ہمیں اِس علم کے متعلق بتاؤ جو تم نے اُس امامِ معصوم سے حاصل کیا ہے؟ اور اِس سلسلے میں ہم نے اُن پر چند اعتراضات کیے، وہ سمجھ تک نہ سکے، چہ جائے کہ اُن کا جواب دیتے، اور جب جواب دینے میں ناکام رہے تو امامِ غائب کا بہانہ بنایا اور کہا کہ امامِ غائب کی طرف سفر کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

حیرت ہے کہ اُنھوں نے اپنی ساری زندگی امامِ غائب کی تلاش میں ضائع کر دی اور اِس بات پر خوش رہے کہ اُن کی کوششیں کامیاب ہوں گی؛ لیکن وہ امامِ غائب سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکے۔ اُن کی مثال اُس شخص جیسی ہے جو گندگی میں لت پت ہے، پانی کی تلاش میں صعوبتیں برداشت کرتا ہے اور جب پانی مل جاتا ہے تو اُسے استعمال نہیں کرتا اور اُس کے جسم پر نجاست جوں کی توں رہتی ہے۔

اہلِ تعلیم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس ائمۂ معصومین کا عطا کردہ علم ہے؛ لیکن اگر اُس علم کا مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ یہ علم فیثاغورث کے فلسفے کی بے معنی اور گھٹیا چیزوں پر مشتمل ہے، فیثاغورث متقدمینِ فلاسفہ میں سے ہے اور اُس کا مذہب تمام فلاسفہ کے مذاہب سے گھٹیا اور بے ہودہ ہے۔ ارسطو نے فیثاغورث کے مذہب کا رد کیا ہے؛ بلکہ اُس کے مذہب کو گھٹیا اور بے ہودہ کہا ہے۔

اِس کا ذکر کتاب ''اخوان الصفا'' میں موجود ہے۔

غرض کہ اہلِ تعلیم کا مذہب فلسفے کے حشو وزوائد پر مشتمل ہے، حیرت ہے ایک شخص ساری عمر حصولِ علم کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے اور پھر اِس قدر گھٹیا اور ناکارہ علم پر قانع ہو جاتا ہے اور گمان یہ کرتا ہے کہ وہ علوم کے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

ہم نے انھیں آزمایا، اُن کے ظاہر اور باطن کو دیکھا اور اِس نتیجے پر پہنچے کہ یہ لوگ عوام اور کم عقل لوگوں کے سامنے ''معلم کی ضرورت'' کے متعلق تقریریں کرتے ہیں اور جب جاہل عوام

اُن کے اِس دعوے کا انکار کرتے ہیں، تو یہ بڑے قوی دلائل سے تعلیل اور معلم کی ضرورت کو ثابت کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص اُن کے اِن دونوں دعووں "تعلیم اور معلم کی ضرورت" کو تسلیم کرے اور کہے کہ میں تعلیم اور معلم کی حاجت کو تسلیم کرتا ہوں؛ لیکن مجھے ذرا اِس تعلیم سے بھی بہرہ مند کرو جو تم نے معلمِ معصوم سے حاصل کی ہے، تو اس شخص کے جواب میں یہ صاحب کہتے ہیں:

"جب تم نے تعلیم اور معلم کی ضرورت کو محسوس کر لیا ہے، تو اب معلم کی تلاش میں رہو! ہمارا مقصد تو تم کو یہی تسلیم کرانا تھا۔"

اور یہ طریقۂ کار وہ اِس لیے اختیار کرتے ہیں کہ اُنھیں معلوم ہے کہ اگر اُنھوں نے بحث میں اُلجھنے کی کوشش کی تو سوائے ندامت اور شرمندگی کے کچھ حاصل نہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ چھوٹے سے اعتراض کا جواب نہیں دے سکیں گے؛ بلکہ اعتراض کو سمجھ تک نہ سکیں گے، جواب دینا تو بہت دور کی بات ہے۔ آپ اُنھیں خود آزما لیجیے! آپ یقیناً اُن سے نفرت کرنے لگیں گے۔ ہم نے تو اُنھیں آزمایا اور اُن سے اپنا دامن چھڑا لیا۔

۞۞۞

مسالکِ صوفیا

جب میں اِن علوم کے مطالعے سے فارغ ہوا، تو صوفیا کے مسالک کی طرف متوجہ ہوا، مجھے معلوم ہوا کہ صوفیا کا طریقۂ علم وعمل دونوں سے تکمیل پذیر ہوتا ہے۔ اُن کی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ نفس کی خواہشات کو ترک کر دیا جائے، اخلاقِ رذیلہ اور صفاتِ خبیثہ سے دامن بچایا جائے، حتیٰ کہ اِن کوششوں کے ذریعے دل کی کیفیت یہ ہو کہ وہاں خداوندِ قدوس کے سوا کسی چیز کا تصور تک نہ رہے اور دل ذکرِ الٰہی کی تنویرات سے روشن اور منور ہو جائے۔

میرے لیے علم، عمل کی [بہ] نسبت زیادہ آسان تھا۔ میں نے صوفیا کی کتب سے اُن کے علم کا مطالعہ شروع کر دیا۔ مثلاً:

حضرت ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ''قوت القلوب''، حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں، حضرت جنید بغدادی، شبلی اور بایزید بسطامی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اِن کے علاوہ دیگر مشائخ کی کتابیں بھی پڑھیں، حتیٰ کہ میں صوفیا کے علمی مقاصد سے آشنا ہو گیا۔ تعلیم اور سماع سے جہاں تک ممکن تھا اُن کے علوم کو حاصل کیا۔ [تب جا کر] یہ بات مجھ پر عیاں ہو گئی کہ تصوف کی حقیقت تک [رسائی] تعلیم وتعلم سے نہیں؛ بلکہ ذوق ووجدان اور تبدیلی صفات سے ہی ممکن ہے۔

صحت اور شکم سیری کی تعریف اور اُس کے اسباب وشرائط کے جاننے میں اور فی الواقعہ صحت مند یا شکم سیر ہونے میں کتنا عظیم فرق ہے۔ اِسی طرح نشّے کی تعریف جاننے اور یہ سمجھنے کہ وہ حالت جب بخاراتِ معدہ سے اٹھ کر منابعِ فکر پر چھا جاتے ہیں، وہ حالت نشہ کہلاتی ہے، کے درمیان اور فی الواقعہ نشے کی حالت میں ہونے کے درمیان بہت بڑا فرق ہے؛ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جو نشے کی حالت میں ہو اس کو تو نشے کی تعریف کا علم ہی نہیں ہوتا، وہ نشے کی حالت میں ہوتا ہے؛ لیکن نشے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا اور جو ہوش وحواس میں ہو وہ نشے کی تعریف اور اس کے ارکان

کوتو سمجھتا ہے؛ لیکن نشے کی حالت میں نہیں ہوتا۔

طبیب ،مرض کی حالت میں صحت کی تعریف ،اسباب اور صحت بخش دواؤں کوتو جانتا ہے؛ لیکن صحت سے محروم ہوتا ہے۔ یہی فرق زہد کی تعریف ،شروط اور اسباب کو جاننے اور حالت زہد میں ہونے کے درمیان ہے۔ جب کہ تو نفس کی باگ دنیا کی طرف سے کھینچ لیتا ہے۔

مجھے اِس بات کا یقین ہو گیا کہ صوفیا اصحاب قال نہیں؛ بلکہ اصحابِ حال ہیں۔تصوف کے متعلق جو کچھ تعلیم و تعلم سے حاصل ہوسکتا تھا، وہ تو میں نے حاصل کرلیا ہے اور جو کچھ باقی رہ گیا ہے، اُس تک رسائی تعلیم و تعلم کے ذریعہ ممکن نہیں؛ بلکہ وہاں تک پہنچنے کے لیے ذوق اور سلوک کی ضرورت ہے۔

علومِ عقلیہ اور نقلیہ کی چھان بین میں، مَیں نے جن علوم کا مطالعہ کیا تھا اور جن مسالک پر چلا تھا اُن سے مجھے اللہ تعالیٰ ،نبوت اور یوم آخرت کے متعلق علم یقینی حاصل ہو چکا تھا اور ایمان کے یہ تین اصول میری طبیعت میں راسخ ہو چکے تھے۔اور یہ یقینی علم مجھے کسی مخصوص دلیل کے ذریعہ نہیں؛ بلکہ اسباب ،قرائن اور بے شمار تجربات کے ذریعہ حاصل ہوا تھا۔میں اس نتیجے پر پہنچا کہ سعادتِ اُخروی کا حصول تقویٰ اور نفس کو خواہشات سے باز رکھنے کے سوا ممکن ہی نہیں،اور اِن تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ دل کا تعلق دنیا سے کٹ جائے۔اِس دار فانی سے کنارہ کشی اختیار کی جائے اور ہمیشہ رہنے والے جہاں (دار آخرت) سے لو لگائی جائے۔بندہ اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور یہ سب کچھ جاہ وجلال سے اعراض اور تعلقات و مشاغل سے کنارہ کشی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

پھر میں نے اپنے حالات کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ میں تو غلائق میں ڈوبا ہوا ہوں،اور انھوں نے مجھے ہر جانب سے گھیر رکھا ہے۔

میں نے اپنے اعمال کا جائزہ لیا،تو مجھے اپنا سب سے بڑا عمل تدریس و تعلیم ہی نظر آیا؛ لیکن مجھے پتہ چلا کہ تعلیم و تدریس میں بھی میری توجہ غیر اہم امور پر رہی ہے اور آخرت کے نقطۂ نگاہ سے وقطعی طور پر غیر مفید ہے۔

پھر میں نے تدریس کے سلسلے میں اپنی نیت کا جائزہ لیا،تو مجھے پتہ چلا کہ تعلیم و تدریس

میں میری نیت خالصتاً رضاے الٰہی کا حصول نہیں تھی؛ بلکہ مجھے اِس کام پر جاہ وجلال اور شہرت کی خواہش نے آمادہ کیا تھا۔ یہاں پہنچ کر مجھے یقین ہو گیا کہ میں تباہی کے کنارے پہنچ گیا ہوں اور اگر میں اپنے احوال کی تلافی نہیں کرتا تو میں آگ کے کنارے پہنچ چکا ہوں۔ میں اس صورتِ حال میں کافی مدت تک غور وفکر کرتا رہا۔

بات ابھی تک میرے اختیار میں تھی۔ مَیں ایک دن بغداد کو خیر باد کہنے اور اِن حالات سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ارادہ کرتا اور دوسرے دن اِس ارادے کو ختم کر دیتا۔ میں اس راہ پر ایک قدم آگے کی طرف بڑھاتا دوسرا قدم پیچھے کھینچ لیتا۔ صبح کو میرے دل میں آخرت کی رغبت پیدا ہوتی تو شام کو شہوات کا لشکر حملہ آور ہو کر اُس رغبت کو نیست ونابود کر کے رکھ دیتا۔

شہواتِ دنیا کی زنجیریں، مجھے رُک جانے کے لیے کھینچتیں تو ایمان کا منادی ندا دیتا: چلو! چلو! عمر کی چند ساعتیں باقی ہیں اور تمھیں ایک طویل سفر درپیش ہے۔ جن اعمال میں تم مستغرق ہو وہ سب ریا اور وہم پر مبنی ہیں۔ اگر اب آخرت کے لیے تیاری نہیں کرو گے تو پھر کب کرو گے؟ اگر اب اِن تعلقات سے کنارہ کش نہ ہو گے تو آخر کب ہو گے؟ اِس حالت میں دل سے تحریک اٹھتی اور کوچ کا ارادہ پختہ ہو جاتا۔

پھر شیطان آتا اور کہتا: یہ عارضی کیفیت ہے، اس کے پیچھے نہ چلو! یہ جلد ختم ہو جائے گی۔ اگر تم نے اِس پر یقین کر لیا اور اِس جاہ وجلال اور ہر قسم کے عیب ونقص سے پاک شان وشوکت، اور مخالفین کی مخاصمت سے پاک امن کو ترک کر بیٹھے، تو ممکن ہے کبھی کوئی وقت آ جائے، جب تم اِن چیزوں کی خواہش کرو؛ لیکن اِن چیزوں کا حصول تمھارے لئے ممکن نہ ہو۔ میں شہواتِ دنیا کی کشش اور آخرت کی داعیوں کے درمیان تقریباً چھ ماہ تک کش مکش میں مبتلا رہا۔ اس حالت کا آغاز رجب ۴۸۸ ھ کو ہوا۔ اُس مہینے میں بات حدِ اختیار سے نکل کر اضطرار کی حدوں میں داخل ہو گئی؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے میری زبان کو مقفل کر دیا تھا، حتیٰ کہ میری زبان تدریس کے قابل بھی نہ رہی۔ میں کسی روز کوشش کرتا کہ اپنے پاس آنے والے لوگوں کا دل رکھنے کے لیے درس دوں؛ لیکن میری زبان سے ایک لفظ تک نہ نکل سکتا اور میں درس نہ دے سکتا۔

اِس زبان بندی نے میرے دل میں ایک خوف اور غم پیدا کر دیا اور اِس سے میری قوتِ

ہاضمہ ختم ہو کر رہ گئی۔ کھانے پینے کی خواہش ختم ہو گئی، نہ مجھے ثرید اچھا لگتا اور نہ ہی ایک لقمہ ہضم ہوتا۔ میرے قویٰ کمزور ہونے لگے، حتیٰ کہ طبیب علاج سے مایوس ہو گئے اور کہنے لگے: اِن کے دل کو صدمہ پہنچا ہے اور وہاں سے مزاج کی طرف سرایت کر گیا ہے اور جب تک دل سے اس صدمے کا غم ختم نہیں ہوتا، علاج کی کوئی صورت ممکن نہیں۔

پھر جب میں نے اپنے آپ کو عاجز محسوس کیا اور میرا اختیار کلیۃً ختم ہو گیا، تو میں نے بارگاہِ خداوندی میں التجا کی -اُس مجبور اور بے کس انسان کی التجا کس کے پاس رحمتِ خداوندی پر بھروسا کے بغیر کچھ نہیں ہوتا- میری اِس دعا کو مجبوروں کی دعا قبول کرنے والی ذات بابرکات نے قبول فرمالیا اور میرے لیے جاہ و مال اور اولاد و اصحاب سے اعراض آسان بنادیا۔

میں نے مکۂ مکرمہ کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا؛ حالاں کہ میں جی ہی جی میں شام کے سفر کا ارادہ کر رہا تھا، اس خوف سے کہ خلیفہ اور دیگر احباب میرے شام میں قیام کے ارادہ پر مطلع نہ ہو جائیں۔

میں مختلف حیلوں سے بغداد سے نکلا، اس ارادے پر کہ کبھی بغداد واپس نہیں آؤں گا۔ میں تمام اہلِ عراق کی ناراضگی کا نشانہ بن گیا؛ کیوں کہ اُن میں ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا، جو یہ سمجھ سکتا کہ میں اِس تمام جاہ وعزت اور شان وشوکت کو کسی دینی سبب سے ترک کر رہا ہوں؛ کیوں کہ اُن کا گمان یہ تھا کہ جس حال میں میں تھا وہ بہت بلند اور اعلیٰ دینی منصب تھا۔ یہی ان بے چاروں کا مبلغ تھا۔

پھر لوگ چہ می گوئیاں کرنے لگے، جو لوگ عراق سے دور تھے، اُن کا خیال تھا کہ یہ ترکِ وطن امرا کے اشارے پر ہو رہا ہے۔ اور جو لوگ امرا اور والیوں کے قریب تھے اور جانتے تھے کہ امرا بے چارے میرے ساتھ کس قدر تعلقِ خاطر رکھتے اور کس حد تک میری طرف توجہ کرتے ہیں۔

لیکن میں اِن سے اعراض کر لیتا ہوں اور اِن کی بات کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا تو وہ لوگ یہ کہتے کہ یہ معاملہ عالمِ بالا سے متعلق ہے اور اِس ترکِ وطن کا سبب اِس کے سوا کچھ نہیں کہ اہل اسلام اور اہلِ علم کو نظر بد لگ گئی ہے۔

میں نے بغداد سے کوچ کیا، جو مال میرے پاس تھا اسے وہیں چھوڑا۔ بقدرِ ضرورت بچوں کی کفالت کے لیے مال اپنے پاس رکھا، اِس خیال سے کہ عراق کا مال اہلِ عراق کے مصالح کے لیے ہی صرف ہونا چاہیے؛ کیوں کہ عراق کا مال مسلمانوں کے لیے وقف ہے۔ اور جو مال دنیا میں ایک عالم اپنے اہل وعیال کے لیے حاصل کرتا ہے، اس سے بہتر مال میں نے نہیں دیکھا۔

پھر میں شام میں داخل ہوا اور تقریباً دو سال تک وہاں مقیم رہا۔ وہاں مجھے تنہائی، خلوت، ریاضت ومجاہدہ، تزکیۂ نفس، تہذیبِ اخلاق کے لیے جدو جہد اور دل کو ذکر الٰہی کے لیے صاف کرنے کی کوششوں کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ اور یہ چیزیں میں نے علم صوفیا سے حاصل کی تھیں۔ میں کافی مدت جامع مسجد دمشق میں معتکف رہا۔ میں مسجد کے مینار پر چڑھ جاتا اور سارا دن مینار کا دروازہ بند رکھتا، پھر مَیں نے وہاں سے بیت المقدس کی طرف کوچ کیا۔ میں ہر روز حجرے میں داخل ہوتا اور اس کا دروازہ بند کر لیتا۔

پھر میرے دل میں فریضۂ حج ادا کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور حرمین شریفین کی برکات سے فیض حاصل کرنے کی تمنا اور زیارتِ خلیل کے بعد زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آرزو دل میں کروٹیں لینے لگی، تو میں نے حجاز کے لیے رختِ سفر باندھا۔

پھر مجھے حالات نے اور بچوں کے خطوط نے وطن واپس لوٹنے کی طرف متوجہ کر دیا، میں وطن واپس لوٹا حالاں کہ میرا وطن لوٹنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

وہاں بھی میں نے خلوت نشینی کو ترجیح دی اور ذکر کے لیے دل کو صاف کرنے کی کوشش کرتا رہا؛ لیکن حوادثِ دہر، اولاد کے معاملات اور معاشی مسائل، مراد اور مقصد کے حصول میں رکاوٹ بنتے رہے اور میری تنہائیوں کی صفوت کو مکدّر کرتے رہے۔ صورت حال یہ ہوگئی کہ مجھے صرف چند ساعتوں کے لیے حالتِ صفا نصیب ہوتی؛ لیکن اس کے باوجود میں اپنے مقصد کے حصول سے ناامید نہ ہوا۔ حالات مجھے مقصد سے روگرداں کرتے؛ لیکن میں پھر اُس طرف متوجہ ہو جاتا۔

تقریباً دس سال میری یہی کیفیت رہی۔ اِن صعوبتوں کے دوران مجھ پر ایسے امور منکشف ہوئے جن کا بیان ممکن ہی نہیں۔

صرف فائدہ کے لیے میں ان امور میں سے چند ایک کا ذکر کر دیتا ہوں:

مجھے یہ یقین ہو گیا کہ صوفیا کا گروہ ہی وہ گروہ ہے جو خالصتاً اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے پر گامزن ہے۔ ان کی سیرت تمام لوگوں کی سیرت سے بہتر ہے۔ اُن کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ اُن کا راستہ ہی صحیح ترین راستہ ہے؛ بلکہ اگر تمام عاقلوں کی عقلوں، تمام حکما کی حکمتوں اور رموزِ شریعت سے واقف علما کے علم کو جمع کیا جائے؛ تاکہ صوفیا کی سیرت واخلاق میں کوئی تبدیلی کی جا سکے اور اُن کے اخلاق وسیرت کے مقابلے میں بہتر سیرت واخلاق کا نمونہ پیش کیا جائے تو یہ بات ناممکن ہوگی؛ کیوں کہ صوفیا کے ظاہر وباطن کی تمام حرکات وسکنات مشکاۃِ نبوت کے نور سے ماخوذ ہیں اور دنیا میں نورِ نبوت سے بہتر کوئی اور نور تو ہے ہی نہیں، جس سے اکتسابِ نور کیا جا سکے۔

قصہ مختصر یہ کہ معترضین اِس مسلک پر کیا نکتہ چینی کر سکتے ہیں؟ جس مسلک کی پہلی شرط ہی طہارت ہے اور ان کے یہاں طہارت کا مفہوم بھی یہ ہے کہ دل کو غیر اللہ کی تصور ہی سے پاک کر دیا جائے۔ اِس مسلک کا نقطۂ آغاز جسے اِس مسلک میں وہی مقام حاصل ہے جو نماز میں تکبیرِ تحریمہ کو حاصل ہے۔ وہ ہے دل کو ذکر خداوندی میں مستغرق کر دینا اور اِس مسلک کی انتہا کلیۃً فنا فی اللہ ہو جانا ہے۔

مقاماتِ سلوک میں سے یہ وہ آخری مقام ہے، جس میں کسب واختیار کو دخل ہوتا ہے اور درحقیقت یہیں سے طریقت کا آغاز ہوتا ہے اور اِس سے پہلے کے مقامات قصرِ سلوک میں داخل ہونے والے کے لیے دہلیز کا حکم رکھتے ہیں۔

طریقت میں ابتدا ہی سے مکاشفات و مشاہدات شروع ہوجاتے ہیں، حتیٰ کہ صوفیا حالت بے داری میں ملائکہ اور انبیا علیہم السلام کی ارواحِ طیبہ کی زیارت کرتے ہیں۔ اُن کی آوازیں سنتے ہیں اور اُن سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ پھر وہ صوفی صور وامثال کے مشاہدے سے آگے بڑھ کر اُن مقامات تک پہنچ جاتا ہے، جن کے بیان سے زبان قاصر ہے۔ جو کوئی بھی اِس حالت کو بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ صریح غلطی اور ٹھوکر سے نہیں بچ سکتا۔ آخر کار قرب کا وہ مقام آجاتا ہے جسے کوئی حلول کہتا ہے کوئی اتحاد کہتا ہے اور کوئی وصول۔ لیکن درحقیقت یہ ہے کہ اِس مقامِ قرب کی یہ سب تعبیریں غلط ہیں۔

اِن مقامات کی تعبیر میں غلطی کیوں سرزد ہوجاتی ہے، اس چیز کو ہم نے اپنی کتاب ''**المقصد الاسنیٰ**'' میں بیان کر دیا ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو سالک اِس مقامِ قرب پر فائز ہوجائے، اُسے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہیے۔

شعر:

[وَكَانَ مَا كَانَ مِمَّا لَسْتُ أَذْكُرُهُ   فَظُنَّ خَيْرًا وَ لَا تَسْأَلْ عَنِ الْخَبَرِ]

❁ جو ہوا سو ہوا میں اس کے بیان سے قاصر ہوں۔

❁ اے مخاطب تو اس حالت کے متعلق اچھا گمان رکھ اور استفسار نہ کر۔

مختصر یہ کہ جسے ذوق کی دولت عطا نہ ہوئی ہو، وہ حقیقتِ نبوت کو صرف نام کے طور پر ہی سمجھ سکتا ہے، زیادہ کچھ نہیں سمجھ سکتا ہے۔ اولیاے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کی کرامتیں، انبیاے کرام علیہم السلام کی مبادیات میں سے ہے۔ یہی حالت ابتداءً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی، جب آپ نے دنیا سے کنارہ کش ہو کر غارِ حرا کو اپنا ٹھکانہ بنا لیا تھا، جہاں آپ خلوت میں ربِ قدوس کی عبادت میں مصروف رہتے۔ عربوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت دیکھ کر کہنا شروع کر دیا [تھا] کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو اپنے رب پر عاشق ہو گئے ہیں۔

یہی وہ حالت ہے کہ اپنے ذوق کی بدولت اسے جلا بخشتا ہے اگر وہ طریقۂ تصوف پر گامزن رہے اور جو دولت ذوق سے محروم ہو وہ اس حالت میں سماع اور تجربہ سے تیقن پیدا کرتا ہے بشرطیکہ وہ صوفیاے کرام رحمہم اللہ کی صحبتوں میں اکثر بیٹھا رہے۔ اس کثرت صحبت سے وہ قرائن احوال کے ذریعے ان حقائق کو سمجھ جاتا ہے۔

صوفیا کی صحبت سے اِن چیزوں پر ایمان کی دولت ملتی ہے؛ کیوں کہ یہ وہ مقدس گروہ ہے جن کی صحبت میں بیٹھنے والا کبھی بد بخت نہیں ہوسکتا اور جس شخص کو صحبتِ اولیا بھی میسر نہ ہو، وہ دلائل کے ذریعے اِن چیزوں کے امکان کو تسلیم کرے۔ اِن دلائل کو ہم نے اپنی کتاب ''احیاء العلوم'' کے باب ''عجائب القلب'' میں بیان کر دیا ہے۔

❁ دلائل کے ذریعے جو یقین حاصل ہو، اُسے علم کہا جاتا ہے۔

❁ اپنی ذات کو اُسی رنگ میں رنگ لینے کا نام ذوق ہے۔

❁ سماع، تجربہ اور حسنِ ظن کے ذریعے قبول کر لینے کا نام ایمان ہے۔

یہی تین درجات ہیں۔

[﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ﴾]

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے درجات بلند کرتا ہے، جو تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم عطا کیا گیا۔ (سورۂ مجادلہ:١١)

[اِن] تین گروہوں کے سوا باقی تمام لوگ جاہل ہیں۔ وہ اِن چیزوں کے سرے ہی سے منکر ہیں۔ وہ ان باتوں پر تعجب کرتے ہیں، وہ اِن باتوں کو سنتے اور تمسخر اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں:

حیرت ہے یہ لوگ کیسی عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے [فرماتا ہے]:

[﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ۝﴾]

''ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی بات سنتے ہیں، حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو کہتے ہیں اُن لوگوں سے جن کو علم عطا ہوا: آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ابھی کیا فرمایا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے۔ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگ گئے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بہرہ اور اندھا کر دیا ہے۔''

(سورۂ محمد:١٦)

طریقۂ تصوف سے جو چیزیں میرے سامنے ظاہر ہوئیں، اُن میں حقیقتِ نبوت اور خاصیتِ نبوت کو بہت اہم مقام حاصل ہے۔ اِن چیزوں کی اہمیت اور ضرورت کے پیشِ نظر میں اُن کے متعلق کچھ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

❁❁❁

حقیقتِ نبوت
اور تمام مخلوقات کے لیے اس کی ضرورت

سمجھ لیجیے کہ انسان کا جوہر، فطری طور پر بالکل خالی اور سادہ تخلیق ہوا ہے، عوالم کے متعلق کوئی علم فطری طور پر اُس کے ساتھ شامل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عوالم بے شمار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی اُن کا احاطہ نہیں کرسکتا جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ.﴾

''کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں (مخلوقات) کو؛ مگر وہ خود۔''

(سورۂ مدثر: ۳۱)

انسان کو عالَم کے متعلق علم ادراک کے واسطے حاصل ہوتا ہے، ادراکات میں سے ہر ادراک کو [انسان] کے لیے تخلیق کیا گیا ہے؛ تاکہ اُس کے ذریعے انسان کو موجودات میں سے کسی عالَم کے متعلق علم حاصل ہو۔ عوالم سے ہماری مراد موجودات کی مختلف قسمیں ہیں۔

انسان میں سب سے پہلے حسِ لامسہ (چھونے کی حس) پیدا کی جاتی ہے اور اس حس کے ذریعے وہ مختلف موجودات مثلاً: گرمی اور سردی، رطوبت اور خشکی، نرمی اور سختی وغیرہ کو محسوس کرتا ہے۔

لیکن قوتِ لامسہ رنگوں اور آوازوں کے ادراک سے قاصر ہوتی ہے؛ بلکہ قوتِ لامسہ کے لحاظ سے رنگوں اور آوازوں وغیرہ کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا۔

پھر انسان میں قوتِ باصرہ (دیکھنے کی قوت) پیدا کی جاتی ہے اور اِس حس کے ذریعے انسان رنگوں اور شکلوں کا ادراک کرتا ہے۔ قوتِ باصرہ جن اشیا کا ادراک کرتی ہے، اُن کا دائرہ عالَمِ محسوسات سے بہت وسیع ہے۔

پھر انسان میں قوتِ سمع (یعنی سننے کی قوت) پیدا کی جاتی ہے اور اِس حس کے ذریعے

انسان آوازوں اور نغموں کو سنتا ہے۔

پھر اُس میں ذوق پیدا کیا جاتا ہے اور اس طرح انسان عالمِ محسوسات سے آگے قدم رکھتا ہے۔ جب بچہ تقریباً سات سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اُسے تمیز کی قوت عطا کی جاتی ہے اور یہ بچے کی زندگی کا ایک نیا مرحلہ ہوتا ہے۔ اِسی تمیز کی بدولت بچہ محسوسات کے علاوہ دیگر اشیا کا بھی ادراک کرنے لگ جاتا ہے، ایسی چیزیں جو عالمِ محسوسات میں نہیں پائی جاتیں۔

پھر بچہ اس سے آگلے مرحلے کی طرف بڑھتا ہے اور اُسے دولتِ عقل سے نوازا جاتا ہے۔ عقل کے ذریعے بچہ ایسے امور کا ادراک کرنے لگتا ہے، جو پہلے اُس کی پہنچ اور رسائی سے دور تھیں، مثلاً عقل کے ذریعے اُسے واجب، جائز اور محال امور کا علم ہوتا ہے۔

عقل کے بعد اور منزل آتی ہے، اِس مرحلے میں ایک اور آنکھ وا ہوتی [کھلتی] ہے، جس کے ذریعہ انسان غیب کو دیکھتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے، اِسی مرحلے میں اُس نئی آنکھ سے اُن امور کا ادراک ہوتا ہے جن کے ادراک سے عقل عاجز تھی، جس طرح کہ قوتِ تمیز، معقولات کے ادراک سے عاجز تھی اور قوتِ حس اُن چیزوں کے ادراک سے عاجز تھی، جن کا تعلق تمیز سے ہے۔

جس طرح آپ عقل کے مدرکات کو اگر صاحبِ تمیز (جو دولتِ عقل سے محروم ہے) کے سامنے رکھیں، تو وہ اُن کا انکار کرے گا اور اُن کو محال اور ناممکن خیال کرے گا۔ اُسی طرح بعض عقل کے پجاری، نبوت کے مدرکات کا انکار کرتے ہیں اور انھیں ناممکن خیال کرتے ہیں؛ لیکن یہ نری جہالت ہے۔

کیوں کہ اُن کے پاس انکار کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ مدرکاتِ نبوت، ارتقاے انسانی کی جس اسٹیج کی مدرکات ہیں، اُس اسٹیج تک اُن کی رسائی نہیں ہے اور اپنی اِس کوتاہی سے وہ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ یہ حقائق موجود ہی نہیں۔ اندھے آدمی نے اگر رنگوں اور اشکال کو مسلسل لوگوں کی زبانی نہ سنا ہو، تو اگر ابتداءً اُس کے سامنے رنگوں اور شکلوں کا تذکرہ کیا جائے، تو وہ سمجھ نہ سکے گا اور اُن کا انکار کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑا افضل فرمایا ہے کہ اُنھیں خصائصِ نبوت کا ایک نمونہ

(نیند) عطا [کیا] ہے۔ کیوں کہ سونے والا شخص اُن امور کا ادراک کرتا ہے جو غیب ہوتے ہیں۔ یا تو یہ ادراک صراحتاً ہوتا ہے یا پھر مثالی طور پر، جو تعبیر کے ذریعے منکشف ہو جاتا ہے۔

یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس انسان نے بذات خود اس کا تجربہ نہ کیا ہو، اُس سے اگر کہا جائے کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ مردے کی طرح بے ہوش پڑے ہوتے ہیں، ان [کے] احساس، سمع اور بصر کی قوتیں منقطع ہو چکی ہوتی ہیں؛ لیکن اِس حالت میں وہ غیب کا ادراک کر لیتے ہیں، تو وہ شخص اِس چیز کا انکار کر دے گا اور اِس چیز کے ناممکن ہونے کے دلائل پیش کرے گا۔ وہ کہے گا کہ ادراک کا سبب تو قوائے حسیہ، سمع، بصر وغیرہ ہیں۔ تو جو شخص اِن قوتوں کی موجودگی میں جن چیزوں کا ادراک نہیں کر سکتا ہے، [وہ] اِن قویٰ کے منقطع ہونے کی صورت میں اُن چیزوں کا ادراک کیسے کر سکتا ہے؟

یہ قیاس کی وہ شکل ہے جسے مشاہدہ جھٹلا دیتا ہے۔ جس طرح عقل ارتقائے انسانی کا ایک مرحلہ ہے، جس میں ایک ایسی آنکھ وا ہوتی ہے جو معقولات کا ادراک کرتی ہے، حالاں کہ حواس اُن کے ادراک سے عاجز ہوتے ہیں۔ اُسی طرح نبوت بھی اس حالت کا نام ہے جس میں ایسی آنکھ وا ہوتی جس میں ایک خاص قسم کا نور ہوتا ہے اور اُس نور سے اشیائے غیبیہ منکشف ہوتی ہے، اور [چار] ایسے امور کا انکشاف ہوتا ہے جن کے ادراک سے عقل عاجز ہے۔

نبوت کے بارے میں شک کی مندرجہ ذیل مختلف صورتیں ہیں۔

- امکانِ نبوت میں شک۔ (کیا نبوت کا وجود ممکن ہے؟)
- وجودِ نبوت میں شک۔ (کیا نبوت واقعۃً موجود ہے)
- کسی مخصوص شخص کے نبی ہونے میں شک۔

امکانِ نبوت کی دلیل تو یہ ہے کہ نبوت فی الواقعہ موجود ہے اور بس۔

وجودِ نبوت کی دلیل کائنات میں اُن معارف کا موجود ہونا ہے، جن تک عقل کی رسائی نہیں، جیسے: مثلاً علمِ طبّ اور علم نجوم؛ کیوں کہ جو شخص اِن علوم کا گہری نظر سے مطالعہ کرتا ہے، اُسے خواہ مخواہ یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اِن چیزوں کا ادراک، الہامِ الٰہی اور توفیق خداوندی کے بغیر ممکن ہی نہیں؛ کیوں کہ تجربہ سے تو اِن کا حصول ممکن ہی نہیں؛ کیوں کہ علمِ نجوم میں بعض ایسی چیزیں ہیں جو

ہزار سال میں صرف ایک مرتبہ وقوع پذیر ہوتی ہے اور ایسی چیزوں کو تجربے سے کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟ یہی کیفیت دواؤں کے خواص کی بھی ہے۔

اِس دلیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ ممکن ہے کہ کوئی ایسا طریقہ موجود ہو جس کے ذریعے اُن امور کا ادراک کیا جاسکے، جن کے ادراک سے عقل عاجز ہے [اور نبوت سے یہی مراد ہے۔] یہ نہیں کہ صرف اُسی چیز کا نام نبوت ہے؛ بلکہ عقل کی رسائی سے ماورا اشیا کا ادراک نبوت کا ایک خاصہ ہے۔ اِس کے علاوہ بھی نبوت کے بہت سے خواص ہیں، ہم نے جو بیان کیا ہے وہ تو اُس سمندر کے ایک قطرے کی حیثیت رکھتا ہے۔

خصائصِ نبوت میں سے اِس خاصے کو مخصوص کر کے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اِس کی مثالیں آپ کے پاس موجود ہیں، مثلاً حالتِ خواب کے ادراکات اور دیگر علوم، مثلاً: طب اور نجوم۔ یہ تمام ادراکات انبیا علیہم السلام کے معجزات ہیں، عقل کے زور پر اِن چیزوں تک رسائی قطعی طور پر ناممکن ہے۔

اس کے علاوہ نبوت کے دیگر خواص کا ادراک ذوق اور مسلکِ تصوف کا پیروکار ہونے سے حاصل ہوتا ہے؛ کیوں کہ نبوت کے اس خاصے (مافوق العقل اشیا کے ادراک) کو تو میں ایک مثال کی مدد سے سمجھ سکا اور وہ مثال ہے: ''خواب'' اور اگر میرے پاس خواب کے تجربات نہ ہوتے، تو میں نبوت کے اِس خاصے کی تصدیق نہ کرسکتا؛ کیوں کہ اگر کسی نبی کے کسی خاصے کی آپ کے پاس مثال نہیں، تو آپ اُس خاصے کو قطعی طور پر سمجھ ہی نہیں سکتے اور جب سمجھ ہی نہیں سکتے تو تصدیق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ کسی چیز کی تصدیق تو اُسے سمجھ لینے کے بعد ہی ممکن ہے۔

اور اِس قسم کی مثال طریقِ تصوف کے ابتدائی مراحل ہی میں حاصل ہو جاتی ہے، اِسی مرحلے پر سالک کو کسی قدر ذوق کی دولت عطا ہوتی ہے اور اِس مثال اور ذوق کی مدد سے سالک اُن چیزوں کی تصدیق کرنے لگتا ہے، جن کی تصدیق عقل اور قیاس کے ذریعہ ممکن نہیں۔

اِس راہ کی یہی ایک خصوصیت نبوت پر ایمان لانے کے لیے کافی ہے، اگر کسی مخصوص شخص کے بارے میں آپ کو شک ہو کہ آیا وہ شخص نبی ہے یا نہیں، تو اُس کے حالات کی معرفت یا تو

بذریعۂ مشاہدہ حاصل ہوسکتی ہے یا اُس کے حالات بالتواترسن کر؛ کیوں کہ اگر آپ طب اور فقہ کو جانتے ہیں تو پھر آپ کے لیے ممکن ہے کہ اطبا وفقہا کے حالات کا مشاہدہ کر کے یا اُن کے اقوال سن کر اُن کے متعلق صحیح رائے قائم کرسکیں، اگر چہ آپ نے ان کو نہ دیکھا ہو۔

آپ کے لیے یہ ناممکن نہیں ہے کہ آپ یہ معرفت حاصل کریں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فقیہ ہیں اور جالینوس طبیب ہے اور آپ کی یہ معرفت حقیقی ہوگی کسی دوسرے کی تقلید میں نہیں ہوگی؛ کیوں کہ آپ فقہ اور طب کے متعلق جانتے ہیں اور پھر اُن دونوں اشخاص امام شافعی اور جالینوس کی کتب اور تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں، اِس طرح آپ کو اُن دونوں کے متعلق ضروری علم حاصل ہوجاتا ہے۔

اِسی طرح آپ اگر نبوت کے مفہوم کو سمجھتے ہوں اور قرآنِ حکیم اور احادیثِ پاک کا بکثرت مطالعہ کریں تو آپ کو یہ یقین حاصل ہوجائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نبوت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہیں۔

آپ کے یقین میں اور اضافہ ہوا گر آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اِن فرامین کا تجربہ کریں جو آپ نے عبادات کے متعلق فرمائے ہیں اور یہ کہ عبادات ،[تصفیۂ] قلب کے لیے کتنی مؤثر ثابت ہوتی ہے۔

غور فرمائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ قول کتنا مبنی برحق ہے:

”جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے وہ بھی بتادیتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا۔“

اسی طرح کتنی سچی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ بات:

”جو شخص کسی ظالم کی مدد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس ظالم کو اُسی پر مسلط کردیتا ہے۔“

اِسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ قول کتنا سچا ہے:

”جو شخص صبح اٹھے تو اُس کو ایک ہی فکر ہو اور وہ فکر تقویٰ (خوفِ خدا) کی ہو، تو اللہ تعالیٰ اُسے دنیا اور آخرت کے غموں سے نجات دے دیتا ہے۔“

اگر آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اِن اقوالِ مبارکہ کو ہزارہا مرتبہ آزمائیں، تو آپ کو اِن کی صدا

قت کا یقین آ جائے گا اور کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

یہی وہ طریقہ (تصوف) ہے، جس کے ذریعے سے آپ کو نبوت پر یقین حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، نہ کہ لاٹھی سانپ بنانے یا چاند کا سینہ شق کرنے سے؛ کیوں کہ اگر آپ صرف اُنھی چیزوں (شقِ قمر، وغیرہ) کی طرف دیکھیں گے اور دیگر بے شمار قرائن کو اُن کے ساتھ شامل نہ کریں [گے] تو ممکن ہے کہ آپ یہ گمان کرنے لگیں کہ یہ جادو یا وہم ہے اور اِس کے ذریعے اللہ تعالیٰ گم راہ کرتا ہے؛ کیوں کہ اُس کی شان ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت اور جسے چاہتا ہے گم راہ کر دیتا ہے۔

آپ پر معجزات کے سلسلے میں اعتراضات اور سوالات وارد کیے جائیں گے، ایسے میں اگر آپ کا ایمان (بالنبوت) کسی ایسے منظم اور متواتر کلام کا مرہون منت ہے، جو معجزات کی بھی تصدیق کرتا ہے تو پھر معجزات کے متعلق کیے جانے والے اُن سوالات سے آپ کے ایمان میں مزید اضافہ ہوگا اور کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔

ہاں! یہ بات ذہن میں رہے کہ اِس قسم کے معجزات اور خارقِ عادات امور کو آپ دلائل وقرآئنِ نبوت میں سے ایک دلیل اور قرینہ ہی سمجھیں، حتیٰ کہ ایسے دلائل وقرآئن کے تواتر سے آپ کو نبوت کے متعلق علم ضروری تو حاصل ہو جائے؛ لیکن آپ کے لیے یہ ممکن نہ ہو کہ آپ کسی دلیل یا قرینہ کو متعین کر کے اُس علم اور یقین کو اُس کا مرہون منت قرار دے سکیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص کو لوگوں کی ایک جماعت ایک متواتر خبر سناتی ہے، تو اُسے اس خبر کا یقین تو ہو جاتا ہے؛ لیکن وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ اُسے یہ یقین اُس جماعت میں سے کس شخص کے قول سے حاصل ہوا ہے؛ بلکہ اُسے یقین تو حاصل ہے؛ لیکن یہ نہیں جانتا کہ یہ یقین کہاں سے حاصل ہوا ہے۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ اُس یقین کی بنیاد، اُس خبر دینے والی جماعت سے باہر نہیں۔ یہی مضبوط اور علمی ایمان وایقان ہے۔

[رہی بات] ذوق [کی] تو وہ مشاہدہ اور کسی چیز کو ہاتھ میں پکڑ لینے کی طرح ہے اور یہ صرف مسلکِ تصوف میں [ملتا ہے]۔ یہاں جس غرض کے لیے حقیقتِ نبوت کا بیان مقصود تھا، اُس کے لیے اتنا ہی بیان کافی ہے۔ ہم اُس کی ضرورت کا ذکر ان شاء اللہ العزیز بعد میں کریں گے۔

اشاعتِ علم سے منہ موڑ لینے کے بعد دوبارہ اس کی طرف رجوع کا سبب

تقریباً دس سال تک تنہائی اور گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے کے، دوران بے شمار اسباب مثلاً: ذوق، علمِ برہانی اور قبولِ ایمانی وغیرہ کے طفیل یہ بات عیاں ہوگئی کہ انسان کی تخلیق بدن اور دل دونوں سے ہوئی ہے۔ دل سے میری مراد حقیقتِ روح ہے جو معرفتِ الٰہی کا مقام ہے، نہ کہ گوشت اور خون، کہ اُس میں تو مردے اور حیوان بھی شریک ہیں۔

اور یہ کہ صحتِ بدن کے لیے باعث سعادت ہے اور مرضِ بدن کے لیے باعث ہلاکت۔ اِسی طرح دل کی بھی صحت وسلامتی ہے، اور کامیاب وہی ہوگا جو بارگاہِ خداوندی میں صحت مند دل لے کر حاضر ہوگا۔

اور دل کا مرض بھی ہے جو اُس کی ابدی اور اخروی موت کا سبب بن جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

''اُن کے دلوں میں مرض ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی ذات سے بے خبر رہنا، زہر قاتل ہے۔ اور خواہشات کی پیروی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی دل کا بہت بڑا مرض ہے۔ معرفتِ خداوندی اِس زہر کے لیے بمنزلہ تریاق ہے اور خواہشات کے برعکس اطاعتِ خداوندی میں مشغول ہو جانا، اِس مرض کا بہت بڑا علاج ہے۔

دل کا مرض زائل کر کے اُسے صحت مند کرنے کا علاج دواؤں کے بغیر ممکن نہیں، جس طرح کہ بدن کے مرض کا علاج دواؤں کے بغیر ممکن نہیں۔ اور جس طرح بدن کی دوائیں اپنی کسی خاصیت کی بنا پر حصولِ صحت کے لیے اثر انداز ہوتی ہے اور اُس خاصیت کو عقلاً عقل کے زور پر معلوم نہیں کر سکتے؛ بلکہ اُس کے لیے اطبا کی تقلید ضروری ہوتی ہے اور اطبا نے یہ علم انبیاے کرام سے حاصل کیا جو نبوت کے نور سے اشیا کے خواص پر مطلع ہوئے، اسی طرح یہ بات مجھ پر واضح ہوگئی

کہ امراضِ قلب کی دواؤں (عبادات) کے حدود اور مقادیر کا تعین اور امراضِ قلب میں اُن دواؤں اور اُن کی متعین مقادیر کی تاثیر کا سبب عقل کی زور پر نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ اِس سلسلے میں انبیائے کرام علیہم السلام کی تقلید ضروری ہے، جن پر نبوت کے طفیل یہ خواص منکشف ہوئے، نہ کہ عقل کے ذریعے۔

جس طرح جو دوا مختلف اجزا سے مرکب ہوتی ہے اور اُن اجزا میں سے بعض اجزا وزن اور مقدار میں دوسرے اجزا سے دوگنا ہوتے ہیں۔ مقداروں کا یہ اختلاف ایک راز ہے اور یہی خاصیت ہے جس کے سبب دوائیں مؤثر ہوتی ہیں۔

اُسی طرح عبادات جو دلوں کی بیماریوں کی دوا ہیں، وہ بھی مختلف اقسام اور مختلف مقدار کے افعال سے مرکب ہیں۔ سجدہ، رکوع سے دوگنا ہے۔ صبح کی نماز، مقدار میں عصر کی نماز سے نصف ہے۔ اِس اختلافِ مقدار و اقسام میں بھی ضرور کوئی راز ہے اور یہی عبادت کا وہ خاصہ ہے جسے صرف نورِ نبوت سے ہی دیکھا جاسکتا ہے۔ جو شخص عقل کے زور پر اِن چیزوں کی حکمت معلوم کرنا چاہے، وہ پرلے درجے کا بے وقوف ہے اور وہ شخص بھی احمق ہے جو یہ سمجھے کہ عبادات کے اجزا کا یہ اختاف اتفاقی چیز ہے، اِس میں راز کی کوئی بات نہیں، جسے اس کا خاصہ قرار دیا جاسکے۔

جس طرح دواؤں میں کچھ اجزا اصول اور ارکان کی حیثیت رکھتے ہیں اور کچھ اجزا زائد ہوتے ہیں جو تکمیل کنندگان کی حیثیت رکھتے ہیں، اور زوائد میں سے ہر ایک، اصول کے افعال میں خصوصی تاثیر رکھتا ہے۔ اُسی طرح سنتیں اور نوافل، ارکان عبادات کی تاثیر کو مکمل کرتے ہیں۔

المختصر انبیائے کرام علیہم السلام، امراض قلب کے طبیب ہیں۔ اور عقل کا فائدہ اور اس کا تصرف صرف اتنا ہے کہ ہم اُس کے ذریعے اس مذکورہ حقیقت کو سمجھ جائیں۔ عقل، نبوت کی تصدیق کرے اور اِس بات کا اقرار کرے کہ جو کچھ نگاہِ نبوت دیکھتی ہے، وہاں تک عقل کی رسائی نہیں۔ عقل کا کام یہ ہے کہ ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں نبوت کے حوالے کر دے، جس طرح اندھوں کو راستہ دکھانے والوں کے سپرد کیا جاتا ہے اور مریضوں کو مہربان طبیب کے حوالے کیا جاتا ہے۔

یہاں تک تو عقل کی پہنچ اور رسائی ہے، اِس کے بعد عقل عاجز ہے۔ [ہاں!] اُس کے

بعد عقل یہ کر سکتی ہے کہ طبیب (نبی) جو کچھ فرمائیں اسے سمجھ لے۔

یہ وہ امور ہیں کہ ایامِ خلوت میں مجھے اِن کے متعلق اتنا یقین حاصل ہوا، جتنا کہ مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔

پھر میں نے دیکھا کہ لوگوں کے اعتقادات اصلِ نبوت، حقیقتِ نبوت اور نبوت کی تعلیمات پر عمل کرنے کے متعلق خراب ہو گئے ہیں۔ میں نے مشاہدہ کیا کہ اِس سلسلہ میں لوگ کئی فرقوں میں بٹ گئے ہیں، تو میں نے لوگوں کے اعتقادات کی خرابی اور اُن کے ایمان کی کمزوری کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس فساد کے چار اسباب ہیں:

- پہلا سبب علمِ فلسفہ میں انہماک رکھنے والوں کی طرف سے پیدا ہوتا ہے۔
- دوسرا سبب طریق تصوف میں انہماک رکھنے والوں کی طرف سے پیدا ہوتا ہے۔
- تیسرا سبب اُن لوگوں کی طرف سے پیدا ہوتا ہے، جو امامِ معصوم سے تحصیل علم کا دعویٰ کرتے ہیں۔
- چوتھا سبب لوگوں کے درمیان نام نہاد علما کا کردار ہے۔

میں نے کافی عرصہ انفرادی طور پر لوگوں کے حالات کا مطالعہ کیا، میں جس کسی کو شرعی معاملات میں کوتاہی کرتے دیکھتا، اُس سے اُس کے شبہات اور عقیدے کے متعلق سوال کرتا، اُس سے اس کا مافی الضمیر معلوم کرتا اور اُس سے کہتا:

''بھائی کیا بات ہے تم شریعت کے معاملات میں کوتاہی کرتے ہو؟

اگر تم آخرت پر یقین رکھتے ہو، [اور] اس کے لیے تیاری نہیں کرتے اور آخرت کو دنیا کے عوض بیچ رہے ہو، تو یہ حماقت ہے؛ کیوں کہ جب تم دو کو ایک کے عوض فروخت نہیں کرتے، تو تم ابدی زندگی کو چند دنوں کے عوض کیوں بیچ رہے ہو؟

اگر تمھارا آخرت پر ایمان نہیں، تو پھر تم کافر ہو۔ ایسے میں اپنے دل کو حصولِ ایمان کے لیے تیار کرو اور معلوم کرو کہ تمھارے کفرِ خفی - جو تمھارا باطنی مذہب ہے - اُس کا سبب کیا ہے؟ یہی کفرِ خفی ہی ظاہر میں اُمورِ شریعت میں کوتاہی کی تمھیں جرأت عطا کرتا ہے، اگر چہ ایمان کے زیور

سے آراستہ نظر آنے اور شریعت کے ذکر سے عزت حاصل کرنے کے خیال سے تم اس عقیدۂ باطن کو ظاہر نہ ہونے دو۔''

(۱) میرے ان سوالات کے جواب میں کوئی کہتا:

''اگر اِن چیزوں (شریعت) کی پابندی ضروری ہوتی، تو علما بدرجۂ اولیٰ اِن کی پابندی کرتے؛ حالاں کہ فلاں مشہور فاضل نماز نہیں پڑھتے، فلاں صاحب شراب پیتے ہیں، فلاں صاحب یتیموں اور اوقاف کا مال کھاتے ہیں، فلاں صاحب حرام سے پرہیز نہیں کرتے، فلاں قاضی صاحب رشوت لیتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔''

(۲) میرے ان سوالات کے جواب میں کوئی شخص علمِ تصوف کا مدعی بن بیٹھتا اور کہتا:

''میں اِس مقام پر پہنچ چکا ہوں، جہاں عبادت کی ضرورت ہی نہیں۔''

یہ وہ لوگ ہیں جو تصوف کے نام پر گمراہ ہوتے ہیں۔

(۳) کوئی صاحب اپنے آپ کو اہلِ اباحت کہہ کر بری الذمہ ہو جاتے۔

(۴) چوتھے صاحب [جو] اہلِ تعلیم کی صحبت میں رہ چکے تھے کہنے لگے:

''آج کے دور میں حق کی پہچان مشکل ہے، حق کا راستہ بہت دشوار گزار ہے۔ اِس راستے میں اختلاف بہت زیادہ ہے۔ کوئی مذہب دوسرے سے بہتر نہیں، عقلی دلائل باہم متعارض ہیں۔ اہلِ رائے کی رائے پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ اہلِ تعلیم کے مذہب میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں، وہ مذہب یقین پر مبنی ہے، تو اب مَیں شک کی وجہ سے یقین کو کیوں چھوڑ دوں؟''

(۵) پانچویں صاحب بولے:

میں جو کچھ کرتا ہوں، کسی کی تقلید میں نہیں کرتا؛ بلکہ میں نے علمِ فلسفہ پڑھا ہے اور اِسی حوالے سے میں نے حقیقتِ نبوت کو سمجھا ہے۔ اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ نبوت کا منتہاے مقصود، مصلحت اور حکمت ہے۔ نبوت کے احکامات کا مقصد عوام الناس میں نظم و ضبط برقرار رکھنا، انھیں باہمی قتل و غارت اور شہوات کی وادی میں غرق ہونے سے بچانا ہے۔ اب میں کوئی جاہل تو ہوں نہیں کہ عوام کی طرح اِن تکلیفات کا پابند بن جاؤں؛ بلکہ میں تو حکیم ہوں، اپنی بصیرت سے حکمت کو دیکھتا ہوں اور اُس کے مطابق عمل کرتا ہوں، مجھے اِس سلسلے میں کسی کی تقلید کی ضرورت

نہیں۔‘‘

یہ اُس شخص کے ایمان کی حالت ہے، جس نے فلسفہ الٰہیین کے مذہب کا مطالعہ کیا ہے اور ابنِ سینا اور ابو نصر فارابی کی کتابوں کو پڑھا ہے۔

یہ [سب] وہ لوگ ہیں جنھوں نے اسلام کو محض زینت اور زیور کے طور پر اپنا رکھا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک شخص قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتا ہے، نمازِ با جماعت ادا کرتا ہے، زبان سے شریعت کی تعظیم کرتا ہے؛ لیکن اُس کے باوجود شراب نوشی ترک نہیں کرتا اور فسوق و فجور کی دوسری چیزوں سے باز نہیں آتا۔

اگر اُس سے کہا جائے کہ اگر نبوت صحیح نہیں تو پھر تم نماز کیوں پڑھتے ہو؟

بعض اوقات جواب میں وہ کہہ دیتا کہ میں جسمانی ورزش، اہلِ شہر کی عادت، مال و اولاد کی حفاظت کے لیے پڑھتا ہوں۔

اور اگر وہ کہے کہ شریعت صحیح ہے اور نبوت حق ہے، تو اس سے کہا جاتا ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر تم شراب کیوں پیتے ہو؟

تو وہ کہتا ہے کہ نشہ سے محض اس لیے منع کیا گیا کہ وہ عداوت اور دشمنی کا سبب بنتا ہے اور میں تو اپنی عقل مندی اور حکمت کے بل بوتے پر اُن بیماریوں سے محفوظ ہوں اور شراب اس لیے پیتا ہوں؛ تاکہ اس سے طبیعت میں جولانی پیدا ہو۔

حتیٰ کہ ابنِ سینا نے اپنی ایک وصیت میں لکھا ہے کہ اُس نے اللہ تعالیٰ سے اِن چیزوں کا عہد کیا ہے کہ حدودِ شرعیہ کی تعظیم کرے گا، دینی عبادات میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ شراب، لہو ولعب کی خاطر نہیں پیے گا؛ بلکہ دوا اور حصول کے طور پر پیے گا۔ [تو اُس کے] ایمان کی پختگی اور عبادات کی پابندی کی [انتہا یہ ہے] کہ اِن تمام چیزوں کے باوجود شراب (جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے) اُسے دوا کے بہانے جائز قرار دے رہے ہیں۔

ایمان کے مدعیوں کے ایمان کی یہ حالت ہے اور بہت سے لوگوں نے اِن کی وجہ سے دھوکا کھایا ہے۔ اور اِن لوگوں پر اعتراض کرنے والوں کے کمزور اعتراضات نے اس دھوکے میں اور اضافہ کیا ہے۔ کیوں کہ معترضین نے اُن پر جو اعتراضات کیے، اُن کی بنیاد علمِ ہندسہ اور منطق

وغیرہ علوم کے انکار پر رکھی گئی، جنھیں وہ لوگ بہت ضروری خیال کرتے ہیں، جس کا سبب ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔

جب میں نے دیکھا کہ مذکورہ اسباب کی بنا پر لوگوں کا ایمان اس حد تک کمزور ہو چکا ہے اور میں نے محسوس کیا کہ مَیں اِن شبہات کی قلعی کھولنے کی اہلیت رکھتا ہوں- کیوں کہ اِن لوگوں کا رد میرے لیے پانی کا ایک قطرہ پی لینے سے بھی زیادہ آسان تھا؛اس لیے کہ میں اِن لوگوں یعنی فلاسفہ،صوفیا، اہل تعلیم اور نام نہاد علما کے علوم اور طرق میں گہری دسترس رکھتا تھا- میرے جی میں یہ بات آئی کہ موجودہ وقت اِس کام کے لیے متعین ہے۔ میرے اندر سے آواز اٹھی کہ تمھیں تنہائی اور گوشہ نشینی کی پڑی ہے اور اِدھر حالت یہ ہے کہ مرض چاروں طرف پھیل رہا ہے۔خود طبیب مبتلاے مرض ہیں اور انسانیت موت کے دروازے پر پہنچ چکی ہے۔

میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں کب تک اِس جہالت کی تاریکی اور ظلمت کو دور کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا، جب کہ یہ زمانہ فترت کا ہے اور یہ دور، دورِ باطل ہے۔ اگر میں نے لوگوں کو اُن کے مذاہب سے راہِ حق کی طرف بلانا شروع کر دیا تو سارا زمانہ میرا مخالف ہو جائے گا، آخر میں کب تک سارے جہان کی مخالفت اور دشمنی برداشت کر سکوں گا۔

یہ کام تو اُسی وقت سرانجام پا سکتا ہے، جب حالات سازگار ہوں اور کوئی ایسا شخص مسندِ حکومت پر فائز ہو جو دین دار بھی ہو اور مضبوط بھی۔

میں نے اِس بہانے پر کہ میں دلیل کے ذریعے اظہار حق کرنے سے عاجز ہوں، اپنے لیے خلوت نشینی میں وقت گزارنے کی رخصت پیدا کر لی اور بارگاہِ خداوندی میں اپنی معذوری کا اقرار کر لیا؛ لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔

ہوا یوں کہ بادشاہِ وقت کے دل میں بغیر کسی خارجی تحریک کے خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ اِس بڑھتی ہوئی گم راہی کا سد باب کیا جائے اور اُنھوں نے مجھے تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ میں نیشا پور پہنچوں اور اِس گم راہی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے راستے میں بند باندھنے کی کوشش کروں۔ بادشاہ کا اِس حکم پر اصرار اس حد تک بڑھ گیا کہ میرے لیے انکار ممکن نہ تھا۔

[پھر] میں نے جب جس سبب سے گوشہ نشینی کی رخصت بارگاہ خداوندی سے طلب کی

تھی وہ سبب اب کمزور ہو چکا تھا۔ میں نے سوچا کہ اب محض سستی، آرام پسندی، عزتِ نفس کی خواہش اور نفس کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے گوشہ نشینی ترک نہ کرنا کسی طور پر مناسب نہیں۔

میں نے اس لیے تو خلوت نشینی کی رخصت بارگاہِ خداوندی سے نہیں طلب کی تھی کہ میرے لیے لوگوں کا سامنا کرنا مشکل ہے، جب کہ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ﴾

''کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ انھیں چھوڑ دیا جائے گا اس پر کہ وہ کہیں کہ ہم ایمان لائے اور انھیں آزمایا نہیں جائے گا اور تحقیق ہم نے آزمایا ہے ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے''۔

(سورۂ عنکبوت: ۲-۳)

اللہ جل مجدہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (جو تمام مخلوقات سے زیادہ معزز ہیں) سے فرماتا ہے:

﴿ وَ لَقَدۡ کُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِکَ فَصَبَرُوۡا عَلٰی مَا کُذِّبُوۡا وَ اُوۡذُوۡا حَتّٰۤی اَتٰہُمۡ نَصۡرُنَا ۚ وَ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ۚ وَ لَقَدۡ جَآءَکَ مِنۡ نَّبَاِی الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴾

''تحقیق آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا اور انھوں نے صبر کیا اس پر کہ اُن کو جھٹلایا گیا اور انھیں تکلیف پہنچائی گئی، حتیٰ کہ اُنھیں آلیا ہماری نصرت نے اور کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے کلمات کو اور آپ تک پہنچی ہیں رسولوں کی خبریں۔'' (سورۂ انعام: ۳۴)

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ یٰسٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۙ﴿۳﴾ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ؕ﴿۴﴾ تَنۡزِیۡلَ الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۵﴾ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُہُمۡ فَہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۶﴾ لَقَدۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ عَلٰۤی اَکۡثَرِہِمۡ فَہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷﴾ اِنَّا جَعَلۡنَا فِیۡۤ اَعۡنَاقِہِمۡ اَغۡلٰلًا فَہِیَ اِلَی الۡاَذۡقَانِ فَہُمۡ مُّقۡمَحُوۡنَ ﴿۸﴾ وَ جَعَلۡنَا مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ سَدًّا وَّ مِنۡ خَلۡفِہِمۡ سَدًّا فَاَغۡشَیۡنٰہُمۡ فَہُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۹﴾ وَ سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکۡرَ وَ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ ۚ

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝

''حکمت والے قرآنِ حکیم کی قسم بے شک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو، اور یہ قرآن عزت والے مہربان کا اتارا ہوا ہے؛ تاکہ تم اس قوم کو ڈر سناؤ جس کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے تو وہ بے خبر ہیں۔[''بے شک ان میں اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے، تو وہ ایمان نہ لائیں گے۔ ہم نے اُن کی گردنوں میں طوق کر دیے ہیں کہ وہ ٹھوڑیوں تک ہیں، تو یہ اب اوپر کو منہ اٹھائے رہ گئے اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور اُنھیں اوپر سے ڈھانک دیا تو انھیں کچھ نہیں سوجھتا۔ اور انھیں ایک سا ہے تم انھیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں، تم تو اُسی کو ڈر سناتے ہو جو نصیحت پر چلے اور رحمٰن سے بے دیکھے ڈرے تو اسے بخشش اور عزّت کے ثواب کی بشارت دو۔''] (سورۂ یٰسٓ: ۱-۱۱)

تو اس سلسلے میں میں نے کچھ اصحابِ دل سے مشورہ کیا، وہ سب اِس بات پر متفق تھے کہ میں خلوت ترک کر دوں اور گوشہ نشینی کو خیر باد کہہ دوں۔

خواب میں صالحین کی مسلسل اور متواتر زیارت نے اِس خیال کو تقویت بخشی جو اِس بات کا ثبوت تھا کہ یہ کام خیر و برکت کا کام ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے اختتام پر مقدر فرما دیا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ہر صدی کے اختتام پر اپنے دین کو تقویت بخشے گا۔

ان شواہد کی روشنی میں امید کی شمع روشن ہو گئی اور حسنِ ظن غالب ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ذی قعدہ ۴۹۹ھ میں اس کارِ خیر کی انجام دہی کے لیے نیشاپور کی طرف کوچ کے اسباب مہیا فرما دیے۔

میں نے بغداد سے ذی قعدہ ۴۸۸ھ میں کوچ کیا تھا، اس طرح یہ خلوت کی مدت گیارہ سال ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سفر مقدر فرما دیا تھا اور مجھے یہ قدرت خداوندی اور اس کی مشیت کا عجیب کرشمہ محسوس ہوا؛ کیوں کہ میں اِس قسم کے سفر کا دل میں کبھی خیال تک نہ لایا تھا۔ جس طرح کہ بغداد سے کوچ اور اُن حالات سے چھٹکارا حاصل کرنا جن میں مَیں بغداد میں تھا۔ یہ خیال بھی کبھی

میرے دل میں پیدا نہیں ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ دلوں اور حالات کو بدل دینے والا ہے، مومن کا دل 'الرحمٰن' کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اور مجھے معلوم ہے کہ اگر میں دوبارہ اشاعتِ علم کی طرف رجوع کروں تو میرا یہ رجوع رجوع نہیں ہوگا؛ کیوں کہ رجوع تو اُس چیز کا نام ہے کہ آدمی اُس حالت کی طرف لوٹ جائے جس میں وہ پہلے تھا اور میری حالت یہ نہیں۔

کیوں کہ پہلے میں جس علم کی اشاعت کرتا تھا وہ حصولِ جاہ و منصب کا ذریعہ تھا، میں اپنے قول و عمل سے لوگوں کو اس کی طرف بلاتا تھا، یہی میرا مقصود تھا اور یہی نیت؛ لیکن اب میں جس علم کی دعوت دے رہا ہوں وہ علم جاہ و عزت کو ترک کر دینے کی تلقین کرتا ہے اور اُس کے ذریعے دنیاوی شان و شوکت کی بے مائیگی کا پتہ چلتا ہے۔ اب یہی نیت ہے اور یہی میرا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے احوال قلب کو بہتر جانتا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ اپنی ذات کی اور دوسرے لوگوں کی اصلاح کروں؛ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں اپنی مراد تک پہنچ سکوں گا یا ناکام ہو جاؤں گا؛ لیکن مجھے پختہ یقین ہے کہ

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

''بزرگ و برتر رب کے سوا نہ کسی کے پاس قوت ہے نہ قدرت۔''

یہ سفر میں نے شروع نہیں کیا؛ بلکہ قدرت نے مجھ سے کرایا ہے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میری اصلاح فرمائے، پھر میرے ذریعے لوگوں کی اصلاح فرمائے، مجھے ہدایت دے، پھر میرے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے، مجھے حق کی پہچان عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

اب ہم ایمان کو کمزور کرنے والے مذکورۃ الصدر اسباب کی طرف رجوع کرتے ہیں، ساتھ ہی اُن طریقوں کی وضاحت بھی کریں گے جن پر چل کر لوگ اُن کی تباہیوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

❋ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم اہلِ تعلیم کی باتیں سن کر حیرت میں مبتلا ہیں، اُن کے شبہ کا علاج وہی ہے جو ہم نے اپنی کتاب ''القسطاس المستقیم'' میں بیان کر دیا ہے، اِس رسالے میں ہم

اُس بات کا ذکر نہیں کریں گے۔

❁ اہلِ اباحت کے توہمات اور شبہات کو ہم نے سات اقسام میں تقسیم کیا ہے اور انھیں اپنی کتاب ''کیمیاے سعادت'' میں بیان کر دیا ہے۔

❁ وہ شخص جس کا ایمان فلسفے کی وجہ سے فاسد ہوا اور اصلِ نبوت کا بھی منکر ہو گیا، تو ایسے شخص کے لیے ہم نے نبوت کی حقیقت کی وضاحت کر دی ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی بتا دی ہے کہ نبوت بالفعل موجود ہے اور اِس کی دلیل کے طور پر ہم نے دواؤں کے خواص اور نجوم وغیرہ کے متعلق علم کے وجود کو پیش کیا ہے۔ (کیوں کہ اِن چیزوں کے متعلق معلومات عقل و قیاس سے حاصل نہیں ہو سکتیں، یہ صرف نورِ نبوت کا فیض ہے) اور ہم نے صرف اسی غرض کے لیے یہ مقدمہ تحریر کیا ہے۔

ہم نے نبوت پر طب اور نجوم کے خواص سے محض اس لیے دلیل پیش کی ہے؛ کیوں کہ یہ منکرین کے مسلمہ علوم ہیں۔

ہم تمام علوم مثلاً: نجوم، طب، طبیعت، سحر، طلسمات وغیرہ ہر علم کے عالم کے سامنے خود اُسی کے علم وفن سے ایک مثال نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔

❁ جو شخص نبوت کا زبان سے تو اقرار کرتا ہے؛ لیکن اعمالِ شرعیہ کو محض حکمت اور مصلحت سے تعبیر کرتا ہے تو وہ بالتحقیق کافر ہے؛ کیوں کہ وہ تو ایمان رکھتا ہے کسی حکیم پر، جس کا مخصوص مزاج ہے اور اُس مزاج کا تقاضا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ نبوت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں؛ بلکہ ایمان بالنبوت تو یہ ہے کہ انسان عقل سے ماورا ایک حالت کے وجود کا اقرار کرے، جس میں ایسی نگاہ وا ہو جاتی ہے جو مخصوص مدرکات کا ادراک کرتی ہے، جن کے ادراک سے عقل عاجز ہوتی ہے۔ جس طرح کہ کان رنگوں کے ادراک سے عاجز ہے، آنکھ آوازوں کے ادراک سے عاجز ہے اور تمام حواس معقولات کے ادراک سے عاجز ہیں۔

اب اِسے کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے۔ ہم نے نبوت کے امکان اور وجود پر دلائل پیش کر دیے ہیں اور جو شخص اِس کو تسلیم کر لے وہ گویا اِس بات کا اقرار کرتا ہے کہ یہاں کچھ امور ایسے بھی ہیں جنھیں خواص کہا جاتا ہے، عقل اُن تک نہیں پہنچ سکتی؛ بلکہ عقل تو اُن کی تکذیب کرنے لگتی

ہے اور انھیں محال قرار دے دیتی ہے۔

مثلاً:

ایک دانق افیون زہر قاتل ہے؛ کیوں کہ وہ اپنی برودت کی شدت کی وجہ سے خون کو رگوں میں منجمد کر دیتی ہے۔

ہر ماہر طبیعات کا دعویٰ ہے کہ اجسامِ مرکبہ میں برودت کا ذریعہ صرف پانی اور مٹی ہیں؛ کیوں کہ یہی دو عناصر بارد ہیں۔

اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پانی اور مٹی کا ایک دانق نہیں۔کئی رطل بھی، برودت میں افیون کے ایک دانق کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔اب اگر کسی طبعی کے سامنے یہ بات کہی جائے اور بذات خود اُس نے اِس کا تجربہ نہ کیا ہو تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ یہ محال ہے، اور دلیل یہ دے گا کہ افیون میں آگ اور ہوا کے اجزا موجود ہیں اور جہاں آگ اور ہوا کے اجزا موجود ہوں وہاں برودت میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔

اور اگر یہ فرض کر لیا جاے کہ افیون میں جس قدر اجزا ہیں وہ سب مٹی اور پانی ہی کے اجزا ہیں تو پھر بھی اس میں اس قدر برودت کا امکان نہیں اور جب ان میں آگ اور ہوا کے اجزا بھی شامل ہو جائیں تو پھر بدرجۂ اولیٰ اتنی برودت ناممکن ہوگی۔

اور وہ مدعی طبیعات اپنی اس بات کو برہان کہیں گے۔''

حقیقت یہ ہے کہ طبیعات اور الٰہیات میں فلاسفہ کے اکثر براہین، اِسی قسم کے ہوتے ہیں؛ کیوں کہ وہ اُمور کو اِسی طرح تصور کرتے ہیں جس طرح وہ اُن کی سمجھ میں آتے ہیں اور جو بات اُن کی سمجھ میں نہ آئے اُس کے محال ہونے کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

اگر سچے خواب نہ ہوتے -جن کو سب لوگ جانتے ہیں- اور کوئی شخص دعویٰ کرتا کہ جب اُس کے حواس کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں، تو وہ غیب کی باتیں معلوم کر لیتا ہے، تو مدعیانِ عقل اس شخص کی تکذیب کرتے۔

اگر کسی شخص سے یہ کہا جاتا:

''کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز موجود ہو، جس کا ایک ذرہ کسی شہر میں رکھ دیا

جائے ،تو وہ ایک ذرہ سارے شہر کو ہر چیز سمیت کھا جائے اور پھر آخر میں اپنے آپ کو بھی کھا جائے ، نہ شہر رہے نہ شہر کی کوئی چیز بچے ،اور نہ وہ کھانے والی شے خود ہی بچے؟‘‘

تو جواب میں وہ صاحبِ عقل کہتا:

’’یہ ناممکن ہے یہ محض خرافات ہیں۔‘‘

حالاں کہ آگ کی یہی حالت ہے۔ جو شخص آگ کو نہ دیکھے اور اس کی مذکورہ بالا صفت سنے تو وہ اس کا انکار کر دے گا۔

عجائبِ آخرت میں سے اکثر کا انکار اِسی طرح کا انکار ہے کہ سمجھ نہیں سکتے اور انکار کر دیتے ہیں۔

ہم ماہرِ طبیعات سے کہتے ہیں کہ افیون کے تجربے سے تم یہ کہنے پر مجبور ہو کہ افیون میں کوئی ایسی خاصیتِ برودت موجود ہے جو طبیعات کے معقول قیاس کے مطابق نہیں ہے۔

اگر یہ ممکن ہے،تو پھر کیوں ممکن نہیں کہ افعالِ شرعیہ میں ایسے خواص ہوں جو دلوں کی شفا اور تصفیہ کا باعث ہوں؛ لیکن حکمتِ عقلیہ اُن خواص کا ادراک نہیں کر سکتی؟ انھیں صرف نگاہ نبوت ہی دیکھ سکتی ہے۔

بلکہ اہلِ عقل نے اِس سے بھی زیادہ عجیب خواص کا اعتراف کیا ہے اور ان کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

مندرجہ ذیل شکل کے خواص تو حاملہ جس کے لیے وضع حمل مشکل ہو گیا ہو، اُس کے علاج کے لیے مجرب ہے:

د	ط	ب
ج	ھ	ز
ح	ا	و

۴	۹	۲
۳	۵	۷
۸	۱	۶

اِن نقوش کو کپڑے کے دو ایسے ٹکڑوں پر لکھا جائے جن کو پانی نہ لگا ہو، اور حاملہ اِن کی طرف دیکھتی رہے اور اِنھیں اپنے قدموں کے نیچے رکھے،تو بچہ بہت جلد باہر آ جائے گا۔

اہلِ عقل نے اِس امکان کو تسلیم کیا اور اِسے اپنی کتاب (عجائب الخواص) میں بیان کیا

ہے۔

یہ ایک ایسی شکل ہے جس کے نو خانے ہیں۔ ہر خانے میں مخصوص رقم لکھی جاتی ہے۔ ایک لائن کے اعداد کا حاصل جمع پندرہ آتا ہے، خواہ اُسے طولاً جمع کیا جائے یا عرضاً یا اوپر نیچے کی مخالف سمتوں کو جمع کیا جائے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ ایک شخص ان چیزوں کے خواص کو تسلیم کرتا ہے؛ لیکن اُس کی عقل یہ نہیں سمجھ سکتی کہ نمازِ صبح کی دو رکعتیں، ظہر کی چار رکعتیں، مغرب کی تین مقرر کرنے میں بھی کچھ خواص پوشیدہ ہیں، جن تک عقل کی رسائی نہیں اور تعداد رکعات میں بھی اختلاف کا سبب اوقات کا اختلاف ہے اور اُن کے خواص کا ادراک بھی صرف نورِ نبوت ہی سے ہوسکتا ہے۔

حیرت تو یہ ہے کہ اگر اِسی بات کو نجومیوں کی طرف منتقل کر دیا جائے، تو اُنھیں اوقات کے اختلاف کی حکمت سمجھ آجاتی ہے۔

علمِ نجوم کی رو سے سورج جب وسط آسمان میں ہو یا طالع اور غارب میں ہو، تو کیا اِس اختلاف سے طالع کا حکم مختلف نہیں ہوجاتا؟

ہاں ہوتا ہے؛ بلکہ ماہرینِ علمِ نجوم تو سورج کے اِسی اختلاف پر علاج بدل دینے کے قائل ہیں؛ بلکہ اِسی اختلاف سے وہ کسی شخص کی زندگی اور موت کا اندازہ لگاتے ہیں، حالاں کہ اِس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ سورج وسط آسمان میں ہو یا مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف۔ تو کیا اِن باتوں کو تسلیم کرنے کی گنجائش ہے؟ سوائے اس کے لوگ اس بات کو ایک ماہر نجوم کی زبانی سنتے ہیں۔

یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص منجم کے قول کو سینکڑوں مرتبہ جھوٹا ثابت ہوتا دیکھتا ہے اور پھر بھی وہ منجم کے قول کی تصدیق کرتا رہتا ہے۔

وہ اُس منجم کی تصدیق میں اِس حد تک بھی چلا جاتا ہے کہ اگر منجم اُسے کہہ دے کہ جب سورج وسطِ آسمان میں ہو اور فلاں برج میں فلاں ستارہ اُس کے مقابل آجائے، اُس وقت اگر تو نے کوئی نیا کپڑا پہنا تو اُسی کپڑے میں قتل کر دیا جائے گا۔ تو وہ شخص اُس وقت میں قطعاً نیا کپڑا نہیں پہنے گا، خواہ اُسے کتنی ہی شدید سردی کا مقابلہ کیوں نہ کرنا پڑے۔ حالاں کہ جس منجم سے اُس

نے یہ بات سنی ہے، اس کا جھوٹ کئی مرتبہ وہ آزما چکا ہے۔

حیرانگی کی بات تو یہ ہے کہ جو شخص اِن چیزوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے اور کہتا ہے کہ یہ خواص میں سے ہیں اور اِن کی معرفت کسی نبی محترم کا معجزہ ہے، تو وہ شخص اِسی قسم کی اُن چیزوں کا انکار کیسے کر دیتا ہے جنھیں وہ کسی ایسے نبی صادق کی زبان سے سنتا ہے جس کی صداقت کی دلیل کے طور پر معجزات موجود ہیں اور اس نبی کی طرف کوئی جھوٹ بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

اگر ایک فلسفی رکعاتِ نماز کی تعداد، رمیِ جمار، حج کے ارکان کی تعداد اور تمام شرعی عبادات میں اِس قسم کے خواص کے امکان کا انکار کرتا ہے، تو وہ یہ نہیں بتا سکے گا کہ شرعی عبادات کے خواص اور دواؤں اور ستاروں کے خواص میں آخر فرق کیا ہے؟ کہ ایک کو تو تسلیم کیا جائے اور دوسرے کا انکار کر دیا جائے۔

اگر وہ یہ کہے کہ میں نے طب اور نجوم کے بعض خواص کا تجربہ کیا ہے اور میں نے اُن میں سے بعض کو صحیح پایا ہے؛ اس لیے میں نے اُن کی تصدیق کا فیصلہ کیا ہے اور میرے دل سے اُن کا استحالہ اور نفرت دور ہو گئی؛ لیکن اعمالِ شرع کا میں نے تجربہ نہیں کیا، تو کیوں کر اُن کے خواص کے وجود کو سمجھ سکتا ہوں؟

تو اس سے کہا جائے گا کہ جب آپ ایسے خواص کا امکان تسلیم کر لیں تو پھر ہمارا موقف ہے کہ آپ صرف ایسی چیزوں کی تصدیق نہیں کرتے جو آپ کے تجربہ میں آئی ہوں، بلکہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کے متعلق تم نے اُن کا تجربہ کرنے والوں سے سنا اور اُن کی تصدیق کر دی۔ اِسی طرح آپ انبیا علیہم السلام کے اقوال کو سنیں، اُنھوں نے شریعت کے ہر معاملے میں حق کا تجربہ اور مشاہدہ کیا ہے، آپ اُن کی راہ پر چلیں، اُن میں سے کئی چیزیں آپ کے بھی تجربے اور مشاہدے میں آ جائیں گی۔

مزید برآں اگر آپ کا تجربہ نہ بھی ہو، تو بھی عقل کا تقاضا یہ ہوگا کہ آپ اِن امور کی تصدیق اور اتباع کریں۔

مثال کے طور پر اگر ایک شخص عاقل بالغ ہو؛ لیکن اُسے مرض کا تجربہ نہ ہو، ایسی حالت میں وہ بیمار پڑ جائے، اُس کا والد مشفق، ماہر طبیب ہو، جب سے اُس نے ہوش سنبھالا ہوا اپنے باپ

کے طبیب ہونے کا اُسے علم ہو، ایسے میں اُس کا والد اس کے لیے دوا تیار کر کے لائے اور اُسے کہے کہ یہ دوا تیرے مرض کے لیے بہتر ہے، ان شاء اللہ العزیز یہ تجھے شفا دے گی۔ تو بتائیے کہ ایسے میں اُس مریض کی عقل کا فیصلہ کیا ہوگا، جب کہ وہ دوا کڑوی اور بدمزہ ہو؟ اب کیا اُس کی عقل یہ فیصلہ صادر کرے گی کہ وہ دوا استعمال کرے یا وہ اپنے باپ کو جھٹلا دے گا اور کہے گا: ''میں نہیں سمجھتا کہ یہ دوا میری صحت یابی کے لیے مفید ہے؛ کیوں کہ میں نے اس کا تجربہ نہیں کیا۔''

یقیناً اگر وہ ایسے کہے گا تو تم اُسے بے وقوف سمجھو گے، بعینہٖ اِسی طرح اہلِ بصیرت تمھیں بے وقوف سمجھیں گے۔ اگر تم اسرارِ شریعت کا محض اِس لیے انکار کرو کہ تمھیں اُن کا تجربہ نہیں ہے۔

اگر تم کہو کہ مجھے یہ کیسے یقین ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی شفیق ہیں اور وہ اس علم میں جو وہ ہمیں بتاتے ہیں، ماہر ہیں؟

تو ہم کہیں گے کہ تمھیں اپنے باپ کی شفقت کا علم کیسے ہوا؟ حالاں کہ یہ کوئی محسوس شے تو نہیں؛ بلکہ اپنے باپ کے احوال و اعمال کے مشاہدہ اور قرائن سے تمھیں اُس کی شفقت کا علم ہوا۔ ان کی نشست و برخاست اور تمھارے ساتھ [اُن کے] سلوک سے اُن کی شفقت کے متعلق ایسا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اِسی طرح جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوالِ شریفہ کا مطالعہ کرتا ہے اور احادیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس شفقت، رافت، محبت اور رحمت کو دیکھتا ہے، جس سے لوگوں کو آپ نے حسن اخلاق، باہمی اخوت اور ایسی چیزوں [کی طرف] جن سے ان کے دین اور دنیا کی بھلائی مقصود ہے بلایا ہے، تو اُسے کامل یقین ہو جاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے لیے اس سے بھی زیادہ شفیق ہیں جتنا باپ اپنے بیٹے کے لیے۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے صادر ہونے والے محیر العقول افعال کو دیکھیں اور ان اخبارِ غیبیہ کو دیکھیں جو قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان سے بیان ہوئیں ہیں اور احادیث پاک میں بیان ہوئیں ہیں، اور اِس چیز کو نظر میں رکھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستقبل کے متعلق جو باتیں کیں وہ ہو بہو سچ ثابت ہوئیں، تو اِن چیزوں سے آپ کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادراک اُس مقام پر تھا جہاں عقل کی رسائی نہیں اور آپ کو ایسی نگاہ عطا ہوئی

تھی، جس پر غیب منکشف ہو جاتا تھا، جس کا ادراک صرف خواص ہی کر سکتے ہیں۔

نبی کی تصدیق کے لیے علمِ ضروری حاصل کرنے کا یہی انداز ہے، آپ اِس بات کا تجربہ کریں، آپ کو یہ حقائق روز روشن کی طرح واضح نظر آئیں گی۔

فلاسفہ کی تنبیہ کے لیے اتنا بیان ہی کافی ہے۔ موجودہ زمانے میں اِس کی سخت ضرورت کے پیش نظر ہم نے اس بات کو بیان کر دیا ہے۔

اور چوتھا سبب کہ (علما کے کردار کی خرابی ایمان کی کمزوری کا سبب بنتی ہے) تو اِس مرض کا علاج تین چیزوں سے ہو سکتا ہے۔

ایک تو یہ کہ وہ عالم جس کے متعلق تمھارا گمان ہے کہ وہ شراب پیتا ہے، حرمتِ شراب کے متعلق اُس عالم کا علم ایسا ہی ہے جیسا کہ شراب، خنزیر کا گوشت، جوا، سود، غیبت، جھوٹ اور چغلی کے حرام ہونے کے متعلق تمھیں علم حاصل ہے، تو اِن چیزوں کی حرمت کو جانتے ہوئے بھی تم اِن کا ارتکاب کرتے ہو۔

آپ ان حرام امور کا ارتکاب اس لیے نہیں کرتے کہ آپ انھیں گناہ یقین نہیں کرتے؛ بلکہ اِس لیے کہ آپ پر شہوت کا غلبہ ہے۔

اُس عالم کی شہوت بھی تمھارے شہوت کی طرح ہے، وہ بھی اِسی طرح غالب ہے جس طرح تمھاری شہوت پر تم غالب ہو۔

اور وہ امور جن کو وہ تم سے زیادہ جانتا ہے اور جن کی وجہ سے وہ تم سے ممتاز ہے، ان کے علم کا تقاضا یہ نہیں کہ وہ مذکورہ بالا علم کی نسبت جو تمھیں بھی حاصل ہے زیادہ سختی سے برائی سے منع کرے۔

آپ دیکھتے نہیں کہ کئی لوگ جو طب کی افادیت کو تسلیم کرتے ہیں، پھل اور ٹھنڈے پانی کے استعمال سے باز نہیں آتے؛ حالاں کہ طبیب اُنھیں اُن چیزوں کے استعمال سے منع کرتا ہے۔ اِس سے یہ مطلب یہ نہیں نکلتا کہ یہ چیزیں مضر ہی نہیں یا یہ کہ اُس شخص کا طب پر ایمان صحیح نہیں، یہ محض علما کی لغزشیں ہیں۔

دوسرا یہ کہ ایک [عام] آدمی سے کہا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ عالم اپنے علم کو آخرت میں

نجات کا ذریعہ سمجھتا ہو اور یہ گمان کرتا ہو کہ اُس کا علم آخرت میں اُس کی شفاعت کرے گا اور اس کو عذاب سے نجات دے گا؛ اِسی لیے وہ اعمال میں کوتاہی کرتا ہے۔ [اور] یہ کہ اگر یہ صحیح ہے کہ علما سے مواخذہ سخت ہوگا تو پھر یہ بھی صحیح ہے کہ علم کی وجہ سے ان کے درجات بھی بلند ہوں گے۔

اس لیے عالم اگر عمل ترک کرے تو علم پر بھروسا کر سکتا ہے؛ لیکن اے جاہل اگر تو اُس عالم کو دیکھ کر عمل ترک کر دے اور علم سے پہلے ہی تو کورا ہے، پھر تو تو ہلاک ہو جائے گا اور کوئی تیری شفاعت نہیں کرے گا۔

تیسرا جواب یہ ہے اور یہی حقیقی جواب ہے کہ عالمِ حقیقی لغزش کے طور پر گناہ کا ارتکاب کرتا؛ وہ گناہوں پر اصرار قطعاً نہیں کرتا۔ کیوں کہ علمِ حقیقی ہے ہی وہ جو بتا دے کہ گناہ زہر قاتل ہے اور یہ کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ جو یہ جانتا ہے وہ خیر کو کسی کمتر چیز کے عوض فروخت نہیں کرتا۔ یہ علم (یعنی علمِ حقیقی) اُن علوم سے حاصل نہیں ہوتا جن کے حصول کے لیے لوگ عام طور پر کوشاں رہتے ہیں۔ اِسی لیے یہ علوم لوگوں کو معصیت پر اور زیادہ جری کر دیتے ہیں۔

علمِ حقیقی تو عالم کو عذابِ الٰہی کا خوف اور رحمتِ خداوندی کی آس عطا کرتا ہے، یہ علم گناہ اور عالم کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ہاں! لغزشیں سرزد ہوتی رہتی ہیں، جن سے انسان کو چھٹکارا نہیں؛ لیکن یہ لغزشیں ایمان کی کمزوری کا سبب ہیں۔

مومن آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے اور پھر توبہ (رجوع) کر لیتا ہے، مومن معصیت پر اصرار نہیں کرتا۔

یہ ہیں وہ چیزیں جنھیں میں فلاسفہ، اہلِ تعلیم اور اُن کے مذاہب کی آفات کے متعلق بیان کرنا چاہتا تھا۔

پروردگارِ عالم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اُن لوگوں میں کرے جنھیں اُس نے برگزیدہ کیا، راہِ حق کی ہدایت فرمائی، اُنھیں اپنے ذکر کی تلقین کی اور نفس کے شر سے محفوظ رکھا اور انھیں اپنی ذات کے لیے خاص فرما لیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔

[وَصَلَّى اللهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ]

بزمِ فیضانِ رضا کی دیگر مطبوعات

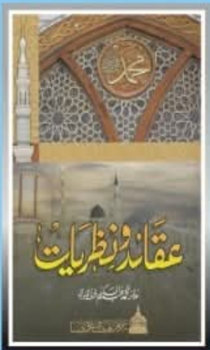

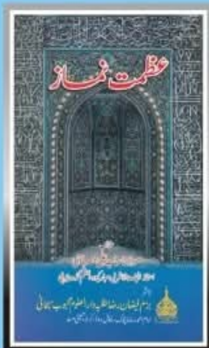

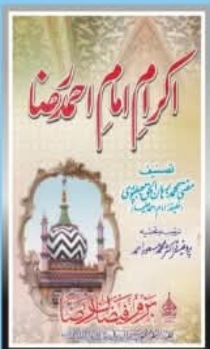

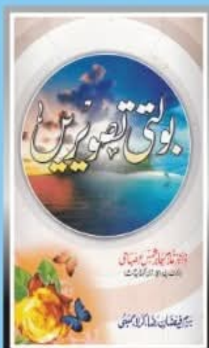

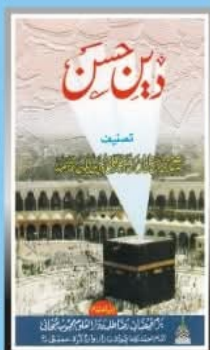

Publisher

BAZME FAIZANE RAZA

Talba-e-Darul Uloom Mahboobe Subhani

Imam Ahmad Raza Chowk, New Mill Road, Kurla (west) Mumbai-70